RNI No. - MAHURD/2011/49433

اهل السنة
Ahl Us Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

Nov.-Dec. 2025 | نومبر-دسمبر ۲۰۲۵ء

خصوصی شمارہ

تجارت
کے اسلامی اصول

سود
کی شکلیں اور ان سے بچنے کا طریقہ

انشورنس
کی قسمیں اور ان کے احکام

کیش بیک
بونس، منی ٹرانسفر اور ڈسکاؤنٹ کے مسائل

شیئر مارکیٹ
کیا صحیح کیا غلط؟

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی
ماہنامہ

Vol: 14 | Issue : 11-12 | Urdu-Monthly | Mumbai | Nov & Dec 2025 | Page 98 | Price: 40/-

حمد باری تعالیٰ

انتخاب وپیشکش: ابوالبیان رفعت سلفی **کلام:** استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ ابوالعاص وحیدیؔ (شائقؔ بستوی) حفظہ اللہ

سلسلۂ کلام شاعر: شعراء اہل حدیث ہند (۵) **مدرس:** صفا شریعت کالج ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی، الہند

یارب تری قدرت کی یہ جلوہ نمائی ہے
تونے بڑی حکمت سے یہ بزم سجائی ہے

سورج کے اجالوں سے ہر ذرہ ہوا روشن
خلاق دو عالم نے وہ شمع جلائی ہے

اک قطرۂ بے جاں کو دے کر کے حسیں پیکر
کیا خوب مصور نے تصویر بنائی ہے

رائی کو کرے پربت اک ادنیٰ اشارہ سے
پربت تری قدرت سے اک آن میں رائی ہے

تیرے ہی کرم سے ہیں سائنس کے یہ جلوے
تیری ہی عنایت سے یہ روشنی آئی ہے

تیری ہی حکومت ہے ہر ذرۂ عالم پر
تو رب دو عالم ہے تیری ہی خدائی ہے

تیری ہی ہدایت سے معلوم ہوا ہم کو
کیا چیز بھلائی ہے کیا چیز برائی ہے

جس قلب میں ہو تیری یادوں کا دیا روشن
اس دل میں کوئی ظلمت آنے نہیں پائی ہے

ہر صبح ومسا یارب تیری ہی ستائش میں
باغات میں چڑیوں کی یہ نغمہ سرائی ہے

بس تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرا
تو صاحبِ عظمت ہے تیری ہی بڑائی ہے

تیرے ہی لیے یارب سجدوں کے ہیں نذرانے
شائقؔ ترا دِیوانہ تیرا ہی فدائی ہے

Ahlus Sunnah

Volume No.14, Issue No.11-12, November-December, 2025

جلد: ۱۴
شمارہ: ۱۱-۱۲

فی شمارہ Rs. 40/-
سالانہ Rs. 400/-

نومبر- دسمبر ۲۰۲۵ء

ماہنامہ

اہل السنۃ
Ahlus Sunnah
اتباع الکتاب والسنۃ بفهم سلف الأمۃ

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی — نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر : خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 7045788251

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبیدالرحمٰن مدنی ● شیخ نورالحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at : Alwan Prints, A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg,
Lower Parel (West), Mumbai - 400 013.

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اھل السنۃ
Ahl Us Sunnah

November-December 2025 | نومبر-دسمبر ۲۰۲۵ء

فہرست

تجارت کے اسلامی اصول	شیخ عبدالعظیم مدنی	5
سود کی شکلیں اور ان سے بچنے کا طریقہ	شیخ عبدالحسیب مدنی	12
انشورنس کی قسمیں اور ان کے احکام	دکتور نوح عالم مدنی	22
کیش بیک، بونس، منی ٹرانسفر اور ڈسکاؤنٹ کے مسائل	دکتور عبدالغنی القوفی مدنی	28
مضاربت اور پارٹنر شپ کے اسلامی اصول	دکتور نسیم مدنی	33
کرپٹو کرنسی کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت	دکتور سید حسین مدنی	38
نیٹ ورک مارکیٹنگ کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم	شیخ نثار احمد محمد مستقیم مدنی	48
جوا اور اس کی جدید شکلیں	دکتور عبدالغفار سلفی	60
ہیوی ڈپوزٹ کا شرعی حکم	شیخ سرفراز فیضی	65
زیورات کی خرید وفروخت میں غلطیاں اور شرعی احکام	شیخ شعبان بیدار صفاوی	71
ڈیبٹ کارڈ اور کریڈٹ کارڈ کا حکم	شیخ کمال الدین سنابلی	74
قسطوں میں خرید وفروخت کے مسائل	شیخ سرفراز فیضی	81
آن لائن بزنس ڈراپ شپنگ اور ایفلیٹ مارکیٹنگ کا شرعی حکم کیا ہے؟	شیخ ظہیر الدین سنابلی	83
تجارت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی	88
شیئر مارکیٹ: کیا صحیح کیا غلط؟	زید خالد پٹیل حفظہ اللہ	93

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

تجارت کے اسلامی اصول

شیخ عبدالعظیم مدنی حفظہ اللہ

میں سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا ہوں جس کی توفیق سے یہ عظیم الشان اور تاریخی اجلاس منعقد ہو رہا ہے، اس کے بعد میں آئی آئی سی کے تمام ذمہ داران کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں، خصوصاً فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی صاحب حفظہ اللہ، زید پٹیل بھائی اور آپ کی پوری ٹیم کو، کہ آپ لوگوں نے ایک ایسے موضوع پر اس تاریخی کانفرنس کا انعقاد کیا ہے جو دو وجوہات کی بنا پر بڑی اہمیت کا حامل ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ موضوع ''اسلام کا نظامِ تجارت'' ہے۔ اس کا تعلق معاملات سے ہے، اور معاملات دین کا وہ حصہ ہیں جن پر بہت کم گفتگو ہوتی ہے، حالانکہ قرآن وسنت کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو عقائد اور عبادات کی طرح معاملات کا بھی دین میں بڑا مقام اور اہمیت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ موضوع اس لیے بھی اہم ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں پونزی اسکیم چلانے والے بعض دھوکے بازوں نے اپنے ناجائز کاروبار کو اسلام کا لیبل لگا کر حرام کو حلال کرنے کی کوشش کی۔ نتیجے میں اسلام کے نام پر لوگوں کی زندگیاں اور سرمایہ لوٹا گیا، دینِ اسلام کی توہین ہوئی، اور بعض ایمان والے یا لبرل ذہنیت کے لوگ اسلام سے بدظن ہو گئے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ہمیں واضح طور پر خبردار کیا ہے: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ ''اپنے مال کو سفیہوں (بے وقوفوں) کے حوالے مت کرو''۔

یعنی وہ مال جس پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے، تمہاری معیشت کا دارومدار ہے، تمہارے نظامِ اقتصاد کا سہارا ہے، اس مال کو بے وقوفوں کے حوالے مت کرو۔ مگر ہم نے اپنے اموال انہی کے حوالے کر دیئے جن کے پاس نہ تجربہ تھا اور نہ بصیرت، نتیجہ یہ نکلا کہ ایک پوری نسل کا سرمایہ لٹ گیا۔

صورت حال یہاں تک پہنچی کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگا کہ کیا امتِ مسلمہ اسلام کے نظامِ تجارت کو نہیں جانتی؟ کیا مسلمان تاجر اسلامی تجارت کے اصولوں سے ناواقف ہیں؟ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ پوری امت کو مذہب اور غیر سودی معاملات کے نام پر لوٹ لیا جائے؟

محترم بھائیو! انہی وجوہات کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر یہ کانفرنس نہایت خوش آئند قدم ہے۔

تجارت کی اہمیت:

اسلامی نقطۂ نظر سے تجارت ایک پاکیزہ عمل ہے، جو پاکیزہ مقاصد کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔طرفین کی رضامندی سے نفع کا تبادلہ اس طرح ہوتا ہے کہ نہ ضمیر فروخت کیا جاتا ہے، نہ ایمان کا سودا کیا جاتا ہے، نہ انسانی اقدار پامال کی جاتی ہیں اور نہ ہی ذاتی فائدے کے لیے دوسروں کا نقصان کیا جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں کمائی کے چار بڑے ذرائع ہیں:

۱۔تجارت ۲۔زراعت ۳۔صنعت وحرفت ۴۔مزدوری

ان سب میں تجارت کی فضیلت اور خصوصیت سب سے نمایاں ہے۔قرآن مجید کی کئی آیات میں اللہ رب العزت نے تجارت کو عبادت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ قریش میں ارشاد ہے:﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ، إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ، فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ، الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ﴾ ''قریش کے ایلاف کے سبب، ان کے سردیوں اور گرمیوں کے سفر کے سبب، چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن دیا''۔

اسی طرح سورۂ جمعہ میں فرمایا:﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ''جب نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ''۔

اسی طرح مناسکِ حج کے دوران بھی تجارت کی اجازت دی گئی ہے۔قرآن میں آیا ہے:﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو''۔

سورۃ المزمل میں بھی عبادت کے ساتھ تجارت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اور غور طلب پہلو یہ ہے کہ ان سب آیتوں میں تجارت کو ''فضل اللہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا جب تجارت اللہ کا فضل ہے تو اللہ کا فضل حاصل کرنے میں مسابقت ہونی چاہیے۔

تجارت اور اخلاق:

اسلام نے تجارت کے سلسلے میں بلند ترین اخلاقی تعلیمات دیں، اگر تاجر ایمان داری، دیانت داری اور سچائی کے

ساتھ کاروبار کرے تو وہ ان مقامات کو حاصل کرتا ہے جو روزہ دار، تہجد گزار اور اللہ کے راستے میں قربانی کرنے والے بندے حاصل کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ"."سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، شہداء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا"۔

تجارت اور سچائی:

سچ بولنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے، اسی لیے اس کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے۔ خاص طور پر جب پورا بازار جھوٹ پر چل رہا ہو تو ایسے ماحول میں سچائی اختیار کرنا بہت بڑی عظمت ہے۔

مثال اور ایک واقعہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس ایک خاتون آئیں اور سوال کیا کہ میں کپڑا کبھی چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاندنی میں بناتی ہوں، تو کیا خریدار کو یہ بتانا ضروری ہے؟ یہ سوال سن کر امام احمد بہت متاثر ہوئے اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ خاتون نے کہا: میں بشر الحافی کی بہن ہوں۔

امام احمد نے فرمایا: یقیناً یہ تقویٰ تمہارے ہی گھرانے کا معیار ہو سکتا ہے۔

تجارت اور خیر خواہی:

اسی طرح تاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابۂ کرام تجارت کو محض دنیا کمانے کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ آخرت کی کامیابی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مثال کے طور پر: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو بھیجا کہ کوئی اچھا سا گھوڑا منڈی سے خرید لاؤ ،غلام ایک بہترین گھوڑا ۳۰۰ درہم میں خرید لایا اور ادئیگی کے لیے اس کے مالک کو بھی ساتھ لے آیا، حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جب گھوڑا دیکھا تو وہ گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا معلوم ہوا، آپ نے مالک سے کہا کہ اس کی قیمت زیادہ کرو، تمہارا گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہے، اس نے کہا کہ چار سو دے دیجئے،، فرمایا: یہ بھی کم ہیں، کہنے لگا: پانچ سو دے دیجئے، فرمانے لگے: شاید تمہیں گھوڑوں کی نسل کی شد بد نہیں یا پھر تم بہت مجبور ہو اور میں تمہیں تمہاری مجبوری اور لاعلمی کا نقصان نہیں پہنچنے دوں گا، اس کے بعد اس کو ۸۰۰ درہم دے کر گھوڑا خرید لیا، گھوڑا بیچنے والا دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو گیا تو غلام نے تعجب سے کہا کہ اچھا بھلا اپنی مرضی سے تو ۳۰۰ میں بیچ رہا تھا، آپ نے خواہ مخواہ اسے اتنے پیسے دے دیئے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خواہ مخواہ میں نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے کی گئی بیعت کی وفا

میں، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی تھی کہ میں اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی کروں گا اس لیے مجھے اپنے بھلے کی نسبت اپنے مسلمان بھائی کے بھلے کی زیادہ فکر رہتی ہے۔

یہی ہے اسلامی تجارت کا اصل نمونہ کہ تاجر دوسرے کی بھلائی چاہے، نہ کہ اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھائے۔

تجارت اور انصاف:

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ: ایک شخص نے کسی سے زمین خریدی۔ جب وہ زمین اس کے قبضے میں آئی تو اس میں ایک خزانہ (سونا) نکل آیا۔ خریدار نے کہا: یہ خزانہ تو میں نے نہیں خریدا، میں نے تو صرف زمین خریدی ہے، لہٰذا یہ خزانہ تمہارا ہے۔

بیچنے والے نے جواب دیا: میں نے تمہیں زمین فروخت کر دی تھی، اس کے اندر جو کچھ ہے وہ سب تمہارا ہے۔

دونوں نے ایک دوسرے پر ڈال دیا کہ خزانہ دوسرے کا ہے، معاملہ اتنا بڑھا کہ فیصلہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ خزانہ دونوں میں تقسیم کر لیا جائے۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی تجارت میں مقصد صرف نفع کمانا نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور انصاف کرنا اصل مقصد ہے۔

تجارت اور دھوکہ دینے و ناپ تول میں کمی کرنے سے بچنا:

حدیث میں آیا ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ ، قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ، فَلَيْسَ مِنِّي. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلے کی ایک ڈھیری کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا، آپ کی انگلیوں نے نمی محسوس کی تو آپ نے فرمایا: غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: تو تم نے اسے (بھیگے ہوئے غلے) کو اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے دھوکا کیا، وہ مجھ سے نہیں۔ (ان لوگوں میں سے نہیں جنہیں میرے ساتھ وابستہ ہونے کا شرف حاصل ہے)۔ [صحیح مسلم: ۱۰۲]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے تجارت کو محض دنیاوی کام نہیں سمجھا بلکہ اس کو ایمان اور آخرت سے جوڑ دیا ہے۔

تجارت اور صدقہ:

تجارت کرنے والے کو اس کی تجارت میں جو فائدہ ہو رہا ہے اس کے شکر کے طور پر اور اپنی تجارت کو نقصان سے بچانے کے لیے صدقہ بھی کرتے رہنا چاہیے، ساتھ ہی ساتھ تجارت میں جو اونچ نیچ ہو جاتی ہے یا تاجر بعض دفعہ غلط بیانی کر لیتا ہے یا جھوٹ بول دیتا ہے یا اپنے مال کو بیچنے کے لیے جھوٹی قسم تک کا سہارا لے لیتا ہے تو اسے چاہیے کہ صدقہ کے ذریعہ ان سب گناہوں اور غلطیوں کو مٹانے کی بھی کوشش کرتا رہے جیسا کہ صحابیٔ رسول حضرت قیس بن ابو غرزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

كُنَّا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ، فَمَرَّ بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ، وَالْحَلِفُ، فَشُوبُوهُ بِالصَّدَقَةِ.

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ''سماسرہ'' کہا جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے تو ہمیں ایک اچھے نام سے نوازا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سوداگروں کی جماعت! بیع میں لایعنی باتیں اور (جھوٹی) قسمیں ہو جاتی ہیں تو تم اسے صدقہ سے ملا دیا کرو''۔ [سنن ابو داؤد: ۳۳۲۶، صحیح]

تجارت اور ذخیرہ اندوزی سے بچنا:

اسی طرح ایک اور اصول یہ ہے کہ اسلام نے فردی منفعت کے بجائے اجتماعی منفعت کو اور بازار کے بجائے سماج کے فائدے کو ترجیح دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ. ''ذخیرہ اندوزی صرف گناہ گار ہی کرتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سامان خرید کر اس لیے چھپائے کہ بعد میں کمی کے وقت زیادہ داموں میں بیچے، تو یہ ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ اس سے پورے معاشرے کو نقصان پہنچتا ہے۔

تجارت اور پارٹنر پر ظلم سے بچنا:

تجارت اگر پارٹنر شپ میں ہو تو شریعت کہتی ہے کہ پارٹنر پر ظلم کرنے سے بچا جائے اور اس معاملے میں ظلم سے وہی بچ سکتا ہے جس کے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت ہو، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَ اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُم عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ ''اور اکثر حصہ دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک

عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں‘‘۔ [سورہ ص:۲۴]

تجارت اور تقدیر پر ایمان:

اسلامی اصولوں پر تجارت کرنے والا انسان جہاں فائدے کی امید رکھتا ہے وہیں اس کا ایمان تقدیر پر بھی ہوتا ہے اور وہ تجارت کے راستے میں کھونے کا بھی حوصلہ رکھتا ہے یعنی تاجر کے اندر صرف نفع کمانے کا حوصلہ نہ ہو بلکہ نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ بھی ہو۔

اللہ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿وَ لَنَبلُوَنَّكُم بِشَىءٍ مِّنَ الخَوفِ وَ الجُوعِ وَ نَقصٍ مِّنَ الاَموَالِ وَ الاَنفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِينَ﴾ ’’اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے‘‘۔ [البقرۃ: ۱۵۵]

اس سلسلے میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا واقعہ نہایت سبق آموز ہے۔

جب آپ ہجرت کے ارادے سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش نے آپ کا راستہ روک لیا اور کہا:

اے صہیب! تم ہمارے پاس غریب آئے تھے اور ہمارے مال کے ذریعے تم نے کمایا، یہاں تک کہ تم صاحبِ حیثیت ہو گئے۔ اب تم اپنا سارا مال چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانا چاہتے ہو؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں اپنا سارا مال تمہیں دے دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں، چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اور خالی ہاتھ مدینہ پہنچے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ’’رَبِحَ صهيب، رَبِحَ صهيب‘‘. ’’صہیب نے بڑی نفع بخش تجارت کی، صہیب نے بڑی نفع بخش تجارت کی‘‘۔

یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اسلامی تجارت صرف دنیاوی نفع پر مبنی نہیں بلکہ آخرت کے نفع پر بھی مبنی ہے۔

تجارت میں روحانی اسباب:

تجارت کے مادی اور ظاہری اصولوں کے ساتھ ایک مسلمان تاجر اس کے معنوی اور روحانی اسباب پر بھی نظر رکھتا ہے۔

تجارت اور توکل علی اللہ کا عقیدہ (اللہ پر بھروسہ کا عقیدہ)

تاجر کو چاہیے کہ وہ اپنی تجارت میں اللہ پر بھروسہ کرے، اسی چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث میں اسی طرح بیان فرمایا: ’’لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا

وَتَرُوحُ بِطَانًا". ''اگر تم لوگ اللہ پر توکل (بھروسہ) کرو جیسا کہ اس پر توکل (بھروسہ) کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق ملے گا جیسا کہ پرندوں کو ملتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو آسودہ واپس آتے ہیں۔ [سنن ترمذی: ۲۳۴۴، صحیح]

صبح کے وقت تجارت اور اس کی برکت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی: ''اللَّهُمَّ بَارِكْ لأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا".'' اے اللہ! میری امت کے صبح کے وقت میں برکت عطا فرما''۔

اس لیے جو تاجر صبح سویرے اپنا کاروبار شروع کرتا ہے، اس کے رزق میں برکت دی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم پر حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا تو ان کو ان کی تجارت میں بہت برکت حاصل ہوئی۔

تجارت اور دوسروں کے مال سے بے نیازی:

ان اسباب کے ساتھ ساتھ تجارت کرنے والے کے اندر استغناء اور بے نیازی کی خوبی بھی ہونی چاہیے۔

مثال کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار صحابہ کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے سب سے مال دار صحابی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا، انہوں نے اپنے گھر بار، زمین اور بیویوں میں انصاف کے ساتھ شریک ہونے کا آفر پیش کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں اہل وعیال اور مال میں برکت کی دعا دی اور ان کے آفر سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مدینہ کے بازار کا راستہ بتا دیجیے، میں محنت اور کچھ تجارت کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بے نیازی کے اس فیصلے کے بعد گھی اور پنیر کا کاروبار شروع کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں اللہ نے انہیں اتنا مال نوازا کہ مال دار صحابہ میں ان کا شمار ہونے لگا، اور جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی ایک ایک بیوی کے حصے میں اسی اسی ہزار درہم آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تجارت میں مادی اسباب کے ساتھ ساتھ روحانی اسباب جیسے اللہ پر توکل، صبح سویرے کام شروع کرنا، صدقہ وخیرات، اور ذکر ودعا بھی برکت کا ذریعہ ہیں۔ اور اصل کامیاب تاجر وہ ہے جو دنیاوی نفع کے ساتھ ساتھ آخرت کے نفع کو بھی سامنے رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی تجارت کو شریعت کے اصولوں کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

سود کی شکلیں اور ان سے بچنے کا طریقہ

شیخ عبدالحسیب مدنی حفظہ اللہ

حقیقت یہ ہے کہ آج کے مالی معاملات، دنیا کی معیشتوں حکومتوں کی اپنی معیشتوں یا پرائیوٹ سیکٹر کی بات کریں تو سود اس قدر زیادہ عام ہے کہ اس کی تمام شکلوں کا احاطہ کرنا اور آپ کے سامنے ان میں سے ہر ایک شکل پر انفرادی طور پر الگ الگ سے بات کرنا بہت ہی مشکل ہے، میں کوشش کروں گا کہ میری اپنی اس تحریر میں تین بنیادی پہلوؤں پر آپ کے سامنے بات رکھ سکوں، سب سے پہلی چیز ہوگی کہ سود یا سود کے اسلامی شریعت میں بنیادی اصول کیا ہیں کہ جن کی روشنی میں کسی چیز کا سودی یا غیر سودی ہونا طے ہوتا ہے تا کہ ہمارے سامنے ایک اصول وضوابط آ جائیں جن کی روشنی میں ہم سود کو پہچاننے کی کوشش کر سکیں، دوسرا حصہ میرے سامنے ہوگا کہ ہمارے سامنے عرف عام میں جو مروج شکلیں ہیں میں ان میں سے بعض اہم صورتوں کی طرف نشاندہی کروں گا اور گفتگو کا آخری اور تیسرا حصہ کچھ مشورے جن کو بطور علاج آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

محترم قارئین! اہل علم نے لکھا ہے کہ اسلامی شریعت کے مقاصد بنیادی طور پر انسان کی پانچ بنیادی چیزوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے: دین، جان، مال، عزت وآبرو اور عقل۔

ان میں سے جہاں تک مال کے تحفظ کی بات ہے اسلامی شریعت نے ہر اس راستے اور طریقے کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے جس سے کسی کے بھی مال کا نقصان ہوسکتا ہو اور یہ چاہے فرد کا مال ہو یا نقصان انفرادی سطح پر پہنچتا ہو یا سماج کی معیشت کو نقصان پہنچتا ہو، اجتماعی نقصان کا معاملہ ہو دونوں ہی صورتوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، اللہ نے چوری، ڈاکے، دھوکے، تجارت میں جھوٹ بولنے کو حرام قرار دیا، اس لیے کہ یہ سب وہ راستے ہیں جہاں سے کسی کے مال پر ناجائز دست درازی ہوتی ہے اور آدمی قبضہ کرتا ہے، ایسے ہی سود ایک ایسی شکل ہے جس میں لوگوں کے مال کو اجتماعی شکل میں نقصان پہنچتا ہے، کیسے؟ دیکھیے تجارت یا معیشت کی بات جب ہم کرتے ہیں تو آج کی دنیا بھی اس چیز کو مانتی ہے کہ مال جب تک لوگوں کے ہاتھ میں بدلتا رہتا ہے معیشت اسی قدر زیادہ مستحکم اور مضبوط ہوتی ہے، سود اور تجارت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ تجارت سے مال ہاتھوں میں بدلتا رہتا ہے اور سماج کے کسی ایک طبقے کے ہاتھوں میں نہیں رہ جاتا ہے، اس کے مقابلے میں سود کا معاملہ یہ ہے کہ سود سماج کے ہاتھوں میں جاتا اور آتا تو ہے لیکن یہ مال

رفتہ رفتہ سماج کے ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں اکٹھا ہونے لگتا ہے اور جب مال سماج میں ہاتھ نہ بدلتا ہو بلکہ کسی ایک طرف اکٹھا ہوتا ہو تو پھر وہ معیشت تباہ ہونے لگتی ہے سماج کا معاشی نظام درہم برہم ہونے لگتا ہے، اسلامی شریعت نے اسی لیے ایک بات کہی: کی لا یکون دولتم بین الاغنیائی منکم. اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت یا مال فے کو بھی غریبوں کو اندر بانٹنے کا حکم دیا تو کہا اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ مال صرف مالداروں کے ہاتھ میں اکٹھا ہو کر نہ رہ جائے۔

سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اس لیے کہ دھیرے دھیرے یہ نظام مال کو سماج کے عام افراد سے ہٹا کر خاص افراد کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور نظام معیشت تباہ ہو جاتا ہے، اسی لیے آپ غور کریں کہ جب سود کی حرمت کا مسئلہ آیا تو لوگوں نے اعتراض کیا، یہودیوں نے خاص طور پر اعتراض کیا کیونکہ سودی معاملہ ان کا تھا، کہنے لگے: اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبَا. تجارت اور سود دونوں ایک جیسے ہیں، سود اگر حرام ہے تو تجارت کو بھی حرام ہونا چاہیے، اگر تجارت حلال ہے تو سود کو بھی حلال ہونا چاہیے اس میں بھی لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے، اللہ نے فرمایا: وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. ''اللہ نے تجارت کو حلال کیا'' (اللہ نے حلال کیا ہے تو تجارت میں فائدہ ہے یا فائدہ غالب ہے) اور سود کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے (تو اس میں نقصان ہے یا نقصان غالب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا) لہٰذا حلال اور حرام برابر نہیں ہو سکتے اور تجارت اور سود دونوں برابر نہیں ہو سکتے اس لیے کہ تجارت سے مال گھومتا رہتا ہے اور سود سے مال رفتہ رفتہ سماج کے کچھ ہاتھوں میں آجاتا ہے اسلام نے اسی لیے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

یہیں سے یہ نکتہ ہم اور آپ سمجھ لیں کہ دنیا چاہے آج سود کے جتنے فائدے گنائے قرآن کی آیت کے اس ایک ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے سارے فائدوں کا جواب دے دیا اور کہا: سود سود ہے وہ تجارت کی جگہ نہیں لے سکتا اور سود سود ہے چاہے جتنے فائدے ہوں لیکن بہرحال اس کا نقصان اس کے فائدے پر غالب ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

محترم قارئین! سود کن چیزوں میں اور کیسے ہوتا ہے بنیادی طور پر میں چار باتیں بتاؤں گا جن میں سے دو ایک ہیں باقی دو چیزیں الگ ہیں:

مؤطا امام مالک کے اندر تابعی زید ابن اسلام رحمہ اللہ کا یہ اثر مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں سود کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی ایک مبلغ کسی آدمی کو ایک ہفتے کے لیے یا دس دن کے لیے قرضہ دیتا جو بھی مدت طے ہوتی، جب وہ مدت آتی تو اس کے پاس پہنچتا اور کہتا: تقضی ام تربی. پیسہ دوگے یا پھر یہاں سے سود میں حساب کرنا شروع کروں؟ آدمی کے پاس پیسہ ہوتا پیسہ دے دیتا اور قرض قرض کی شکل میں ختم ہو جاتا اور اگر آدمی کے پاس دینے کے لیے پیسہ نہیں ہوتا

تو وہ کہتا مان لو جیسے میں نے ہزار روپیہ آپ کو دیا ہے تو آج سے اس کا حساب گیارہ سو روپیہ کا پکڑ لو، آج سے میرا گیارہ سو روپیہ تمہارے پاس ہے گویا قرض کے بدلے اس نے سو روپیہ لیا اور اس سے کہا کہ اسے راس المال شمار کر لو، یہ زمانہء جاہلیت کا سود تھا اور پھر اگلی مدت جو بھی طے ہوتی اگر وہ سود سمیت نہیں لوٹا تا تو پھر اس سے کہتا کہ اب پورے گیارہ سو روپیہ کا سود ملا کر راس المال بنا لو، یہاں سے میرا پیسہ تیرہ سو روپیہ ہو جائے گا اور تیرہ سو روپیہ کا سود تم مجھے دینا، اللہ نے پہلے والے سود کو بھی حرام قرار دیا کہ جس میں راس المال یعنی اصل پیسے پر سود تھا۔

دوسری شکل میں راس المال اور اس کے ساتھ جو اضافی سود کا پیسہ جو راس المال بنا دیا گیا تھا اس کا بھی سود تھا اسے ''سود مرکب'' کہا جاتا ہے اللہ نے اس کو بھی حرام قرار دیتے ہوئے کہا: يا ايها الذين آمنوا لا تأكلوا الربا اضعافا مضاعفة. اللہ تعالیٰ نے سود مرکب کو بھی حرام قرار دیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سود چاہے سود مفرد ہو یا سود مرکب ہو دونوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

ہمارے زمانے میں سود کی جو سب سے نمایاں شکل ہے وہ یہ کہ قرض کے بدلے میں سود لیا جائے، اسی لیے ایک حدیث ہے مرفوعا بھی روایت کی گئی ہے اور موقوفا بھی، شیخ البانی رحمہ اللہ نے موقوفا اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس معنی کے کچھ آثار نقل کیے ہیں: كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا. ہر وہ قرض جس کے بدلے میں بندہ کسی بھی قسم کی منفعت چاہتا ہے چاہے وہ پیسے کی شکل میں یا معنوی ہو، چاہے آپ مشروط لیں کہ پہلے سے آپ نے فکس کیا ہوا ہے یا آپ نے فکس نہیں کیا ہے لیکن شرط رکھ دی ہے جب لوٹاؤ تو کچھ ملا کے دے دینا۔ یہ اسلامی شریعت کی نظر میں سود ہے اور یہ منفعت حسی پیسے کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور معنوی بھی، جیسے میں آپ کے سامنے ایک دو مثالوں سے بات واضح کروں کہ اسلامی شریعت کی نظر میں ایسا سود یا ایسی شکل سود قرار پاتی ہے اور یہ حرام ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس یہ ایک صاحب آئے کہنے لگے کہ مچھلی پکڑنے والے ایک آدمی نے مجھ سے بیس درہم قرضہ لیا ہے اور جب سے قرضہ لیا ہے روزانہ جب بھی ملتا ہے ایک آدھ مچھلی ہدیے میں دیتا ہے اور میرا طریقہ یہ کہ جب بھی وہ مچھلی دیتا ہے میں کھاتا نہیں ہوں بازار میں لے جا کر بیچ دیتا ہوں اور پیسہ لے لیتا ہوں، حضرت ابن عباس نے پوچھا: ایسے اس سے تحفے میں آئی ہوئی مچھلیاں لے جا کر بیچتے بیچتے اب تک کتنے درہم کمائے ہیں؟ کہا: تیرہ درہم، حضرت ابن عباس نے کہا: اگر ایسا ہے تو اب تمہیں صرف سات درہم اس سے لینے کا حق ہے کیونکہ اس نے ہدیہ قرض کے بدلے میں ہی دیا ہے، اس لیے یاد رکھئے کہ قرض کے بدلے میں اگر کوئی منفعت آپ کو

ملتی ہے تو وہ منفعت اسلامی شریعت کی نظر میں سود کے زمرے میں آتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں بعض اہل علم نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو قرضہ دیا اور جب قرض کی وصولی کا وقت آیا تو اس کے دروازے پر گئے اور دروازہ کھٹکھٹانے لگے، دھوپ میں امام ابوحنیفہ کھڑے ہوئے ہیں، وہ آدمی باہر نکلا اور امام ابوحنیفہ کو دیکھا تو پریشان ہوا اور کہنے لگا کیا مسئلہ ہے؟ کہا: میں اپنی وصولی کے لیے آیا ہوں، تو اس نے کہا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ میرے مکان کا درخت ہے اس کے سائے میں کھڑے ہو جائیں، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: مجھے یہ ڈر ہے کہ جب تک میں تم سے قرض وصول نہ لوں تب تک اگر تمہارے گھر کے درخت کے سائے سے بھی فائدہ اٹھاؤں گا تو یہ سود ہو جائے گا۔

اسلامی شریعت کی نظر میں یہ مسئلہ صاف ہے کہ اگر قرض کے بدلے آپ منفعت لینا چاہتے ہیں تو یہ سود شمار کی جاتی ہے۔

محترم قارئین! سود کی ان دونوں شکلوں سے ہٹ کر پیارے نبی ﷺ نے سود کی کچھ اور شکلیں بھی گنائی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد. سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے میں اگر بیچا جائے تو دو شرطوں کا خیال رکھنا پڑے گا ایک تو یہ کہ کوالٹی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اگر یہ چیزیں اپنی ہی جنس کے مقابلے میں بیچی جائیں تو برابر برابر ہوں گی، کمی زیادتی ہوگی تو یہ سود ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے میں معاملہ طے ہونا چاہیے، آج میں دے رہا ہوں کل آپ اس کے بدلے میں برابر کا بھی دیں گے تو اسلامی شریعت کی نظر میں یہ سود ہوگا۔

کمی زیادتی کریں تو اسے ''ربا الفضل'' کہتے ہیں اور اگر ادائیگی میں ایک ہاتھ دے دوسرے ہاتھ لے نہ ہو بلکہ تاخیر ہو تو اسے ''ربا النسیئہ'' کہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے گیہوں کو جو کے بدلے میں بیچا یا آپ نے سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچا تو آپ چاہیں تو کمی زیادتی کر سکتے ہیں، ایک کلو گیہوں کے بدلے میں دو کلو جَو لینا چاہیں کمی زیادتی ہو سکتی ہے لیکن ایک ہاتھ دے دوسرے ہاتھ لے ہی ہونا چاہیے۔

محترم قارئین! ایک اہم بات یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سونا سونے کے بدلے میں چاندی چاندی کے بدلے میں اور آج کے دور میں کسی بھی ملک کی کرنسی مستقل ایک جنس مانی جائے گی، روپیہ مستقل ایک جنس ہے، ریال مستقل جنس ہے، ڈالر مستقل

جنس ہے، ان سب میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر آپ روپیہ کو روپیہ کے بدلے میں ریال کو ریال کے بدلے میں ڈالر کو ڈالر کے بدلے میں لین دین کریں گے تو آپ کو برابر برابر کرنا چاہیے اور ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے ہونا چاہیے، اگر آپ نے کمی زیادتی کی یا پھر آج دوں گا کل لے لو والی بات کی تو تبادلہ ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے ہونا چاہیے، اسلامی شریعت کی نظر میں سود اس طرح آتا ہے کہ جب سونا چاندی یا کوئی بھی کرنسی اپنی ہی جنس کے مقابلے میں اپنی ہی جیسی چیز کے مقابلے میں بیچی جائے تو برابر بھی ہونا چاہیے اور ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے بھی ہونا چاہیے کمی زیادتی ہو یا آگے پیچھے ہو تو یہ سود ہوتا ہے۔

جہاں تک بقیہ چار قسم کی چیزیں ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا صرف انہی چار چیزوں میں یعنی جَو، گیہوں، کھجور اور نمک میں ہی سود ہوتا ہے؟ تو فقہاء کے قول اور راجح قول کے مطابق ہر وہ چیز جو غذا ہے، جو ناپی جاسکتی ہے یا تولی جاسکتی ہے ان چیزوں میں یہی اصول رائج ہوگا کہ اگر وہ اپنی ہی جنس کے مقابلے میں بیچے جائیں تو پھر ایسی صورت میں برابر برابر ہونا چاہیے اور ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے کے اصول پر ہونا چاہیے۔

محترم قارئین! یہ سودی معاملات کے وہ بنیادی اصول ہیں جن پر معاملات طے کیے جاتے ہیں، اب ان اصولوں سے ہٹ کر ہمارے سماج میں جو سود کی شکلیں رائج ہیں، ان کا تذکرہ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے:

(۱) فائننس کروانا: پہلے صرف مہاجن کا سود ہوتا تھا اب بینکوں نے ان کی جگہ لی اور بینکوں سے آگے بڑھ کر اب تو بہت زیادہ فائننس کی کمپنیاں آگئی ہیں، کسی بھی بینک سے، فرد سے، کمپنی سے یا کہیں سے بھی آپ لون لیں، اگر یہ قرضہ آپ سودی قرضہ کی شکل میں لے رہے ہیں تو پھر اسلامی شریعت کی نظر میں یہ حرام ہے۔

یہ کون کون سے ہیں؟ بزنس لون، ہوم لون، وہیکل لون، ایجوکیشن لون یا کسی بھی اور نام سے لون اگر آپ لے رہے ہیں تو یہ سود کی مروجہ شکل ہے جس سے آپ کو بچنا چاہیے۔

بعض لوگ یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ یورپی ممالک میں چھوٹ دی گئی کہ اگر آدمی کے پاس گھر نہیں ہے تو گھر بنانے کے لیے ہوم لون لے سکتا ہے، اسلامی شریعت آپ کو بتاتی ہے کہ اگر آپ ہوائے نفس کی بنیاد پر فتوے تلاش کرنا شروع کریں گے تو کہیں نہ کہیں حرام کو حلال کرنے والے فتوے بھی آپ کو مل جائیں گے، اور اگر اصول پر نظر رکھ کر بات کریں گے تو اسلامی شریعت کی نظر میں یہ شکلیں ہیں جہاں سود آپ کے لیے حلال نہیں ہوتا یہ حرام کا حرام ہی رہتا ہے۔

(۲) ای ایم آئی پر کوئی سامان لینا: یعنی ماہانہ قسط وار ادائیگی پر چیزوں کو خریدنا، یہاں ایک بنیادی مسئلہ سمجھ لیں کہ کسی چیز کو قسط وار پر خریدنا راجح قول کے مطابق جائز ہے، حتیٰ کہ اس کی قیمت نقد کے مقابلے میں تھوڑی بہت زیادہ

بھی ہوتو راجح قول کے مطابق جائز ہے لیکن ہمارے ملک میں جو ای ام آئی رائج ہے اس میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ ساری ای ام آئی سودی ہیں، کیونکہ قسط وار بیع دو لوگوں کے درمیان ہوتی ہے چیز آپ کی ہے اور پیسہ میرا، میں آپ سے کہتا ہوں کہ میں چیز آپ سے لے رہا ہوں، میں آپ کو دس مہینے میں اس کی قیمت ادا کروں گا، دو لوگوں کے درمیان معاملہ طے ہوتا ہے تو عام طور پہ وہ قسط وار ہی ہوتا ہے لیکن ہمارے ملک میں جتنی ای ام آئی کی شکلیں ہیں ان سب کے اندر ایک تیسرا آدمی یعنی فائنانسر (بینک) ضرور شامل ہوتا ہے، کئی بار وہ آپ کے سامنے موجود نہیں ہوتا اور دوکاندار ہی سے آپ معاملہ کرتے ہیں لیکن دوکاندار آپ سے با قاعدہ کاغذ پر دستخط لیتا ہے اور آپ بینک کے کاغذ پر یا فائنانس کمپنی کے کاغذ پر دستخط بھی کرتے ہیں، سیدھا سا اصول آپ یاد رکھیں کہ جب دو لوگوں کے معاملات میں تیسرا آرہا ہے تو وہ بغیر فائدے کے چیریٹی (امداد یا صدقہ) کرنے کے لیے آپ کے پاس نہیں آرہا ہے، وہ اپنا مفاد لے کر آرہا ہے، اسی لیے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ نو کاسٹ ای ام آئی یعنی زائد قیمت کے بغیر زیرو پرسنٹ پر ای ام آئی جو آپ کو مل رہی ہے یہ بھی سودی شکل ہی ہے ،گرچہ آپ کو کہا جارہا ہے کہ زیرو پرسنٹ آپ کو انٹرسٹ دینا پڑ رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ بھی سود ہی کی ایک شکل ہے۔

(۳) ایف ڈی کروانا: یعنی فکس ڈپوزٹ کر دینا، مبلغ ایک پیسہ آپ کسی بینک میں ڈپوزٹ کر دیتے ہیں اور ماہانہ اس پر آپ کو ایک سود دیا جاتا ہے یہ حرام اور ناجائز ہے، اور اسی سے ملتی جلتی نئے زمانے میں یہ بھی شکلیں ہیں کہ مختلف کمپنیاں آپ سے یہ کہتی ہیں کہ اگر آپ اپنے والیٹ میں اتنا بیلنس رکھیں گے تو ہم کچھ سہولتیں یا پھر ڈسکاؤنٹ آپ کو دیں گے، یاد رکھیں کہ کیش بیک کی شکل میں والیٹ میں متعین پیسہ متعین دن تک رکھنے کے بدلے میں کوئی بھی منفعت آپ کو ملتی ہے یہ فکس ڈپوزٹ سے ملتی جلتی شکل ہے یعنی یہ قرض کے بدلے میں سود کمانے والی شکل ہے۔

(۴) بینک اکاؤنٹ کا سود: بینک کا کوئی بھی اکاؤنٹ (کرنٹ اکاؤنٹ یا سیونگ اکاؤنٹ) ہو ان دونوں کا معاملہ سود سے جڑا ہوا ہے، ہاں اتنی بات ہے کہ اہل علم میں سے کئی اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اب یہ اُس مقام پہ پہنچ گیا جہاں اَلضرُورَۃُ تُبِیحُ المَحْضُورَاتِ. تو اگر آدمی واقعی ضرورت مند ہو اور اس کے بغیر کام نہ چلتا ہو تو پھر آدمی کو اکاؤنٹ کھولنے کی اجازت ہے، لیکن آدمی کو خیال رکھنا چاہیے کہ سودی منفعت کے جو پہلو اس میں نکلتے ہیں ان سے حتی المقدور بچنے کی کوشش کرے۔

کرنٹ اکاؤنٹ کے اندر بھی سودی منفعت ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ کرنٹ اکاؤنٹ پہ ہم کو منفعت نہیں ملتی ہے، نہیں کرنٹ اکاؤنٹ میں بھی آپ سے بینک چاہتا ہے کہ آپ ایک ماہ کے اندر متعین مبلغ کی ٹریڈنگ اور ٹرانزیکشن کریں

اور وہ اسی کے بدلے میں یہ ساری سہولتیں (بینک ، چیک اور یہ ادائیگی کی سہولتیں) آپ کو فراہم کر رہا ہے۔ یاد رکھیں کہ کرنٹ اکاؤنٹ ہو یا پھر ڈیبٹ (سیونگ) اکاؤنٹ ہو دونوں ہی کے اندر سود کا معاملہ ہے لیکن یہ ان معاملات میں ہیں جن میں مجبوری کی صورت میں اختیار دیا گیا ہے لیکن اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کو خیال رہے اور وہ حتی المقدور اس سے بچنے کی کوشش کریں کہ یہ بھی بقدر ضرورت ہی ہے۔

(۵) کریڈٹ کارڈ کا سود: بینکوں کا کریڈٹ کارڈ ہو یا کسی دوسری کمپنی کا، مختلف کمپنیاں کریڈٹ کارڈ دیتی ہیں، یاد رکھئے گا کہ کریڈٹ کارڈ کا استعمال کرنا بھی سودی معاملہ ہے، اسلامی شریعت کی نظر میں کریڈٹ کارڈ کا استعمال حرام ہے۔

ایک اہم نکتہ: بہت سارے بینکس یہ کہتے ہیں کہ کریڈٹ کارڈ میں ہم آپ کو یہ سہولت دے رہے ہیں کہ آج آپ کریڈٹ لے لیجئے (ایک لاکھ، دولاکھ یا پانچ لاکھ روپیہ لے لیجئے) اور آپ جو پیسہ لے رہے ہیں اگر تیس دن یا پینتالیس دن میں لوٹا دیں گے تو جتنا لیا ہے اتنا ہی لوٹانا پڑے گا، اس پر کوئی انٹرسٹ آپ کو دینے کی ضرورت نہیں ہے، بہت سارے لوگ اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں جتنا لے رہے ہیں اتنا ہی جب ادا کرنا ہے تو پھر اس میں سود کا کوئی معاملہ نہیں ہے اس لیے کریڈٹ کارڈ جائز ہے، اگر آدمی اتنی ہی مدت میں لوٹا دے جتنی مدت متعین کی گئی ہے تو یہ غلط ہے اور بہت ہی غلط ہے۔

بعض ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض شہروں میں کچھ علماء کرام نے اس قسم کا فتویٰ دیا ہے کہ کریڈٹ کارڈ سے اگر آپ خریداری کرتے ہیں اور اس کی متعین مدت کے اندر ادا بھی کر دیتے ہیں تو یہ جائز ہے۔نہیں، یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے، کیوں؟

پہلی بات اس لیے کہ عام طور پر یہ کریڈٹ کارڈ وسیلہ ہوتے ہیں جس کے ذریعے سودی قرضے میں آپ کو پھانسا جاتا ہے، کیونکہ بینک چیریٹی کرنے نہیں بلکہ کمانے بیٹھا ہے، کریڈٹ کارڈ دینے والے بینکوں کو پوری طرح معلوم ہے کہ اکثریت وقت پہ ادائیگی نہیں کرے گی پھر نتیجے میں سودی معاملے میں وہ مبتلا ہو کر رہے گی۔

شریعت اسلامیہ میں بہت ساری چیزیں فی نفسہٖ حرام نہ بھی ہوں تو سد ذریعہ کے طور پر بھی بہت ساری چیزیں حرام ہوتی ہیں اس بات سے تو کریڈٹ کارڈ کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری بات کریڈٹ کارڈ آپ خرید کر پیسہ وقت پہ ادا بھی کر دیتے ہیں تو بھی آپ کریڈٹ کارڈ جیسے ہی لیتے ہیں آپ کریڈٹ کارڈ استعمال نہ بھی کریں تو آپ سود کے معاملے سے اتفاق کر رہے ہیں، کیونکہ کارڈ آپ کو اسی شرط پر ملتا ہے کہ آپ کریڈٹ کارڈ سے ٹریڈنگ کرتے ہیں اور آپ بینک یا کمپنی کی اس شرط کو مانتے ہیں کہ اگر آپ نے وقت پر پیسے ادا نہیں کیے تو

آپ سود دیں گے، سود دینے کے اس وعدے سے اتفاق کرنا ایک مسلمان کے لیے حرام اور ناجائز ہے، اس لیے کریڈٹ کارڈ کو بھی آج کے زمانے کے سودی معاملات کی ایک نمایاں شکل بلکہ اس کو فروغ دینے کی بڑی اہم شکل کے طور پہ سمجھنا چاہیے۔

(٦) امدادی اسکیم یا سبسڈی: بہت ساری ایسی امدادی اسکیمیں حکومتوں کی طرف سے سبسڈی کے طور پر دی جاتی ہیں، ہوتا یہ ہے کہ کسی کو بزنس شروع کرنا ہے تو مائنارٹی ڈپارٹمنٹ یا کسی اور ڈپارٹمنٹ سے کسانوں کو لون دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ دیا گیا ہے تو اب آپ کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ سود سمیت لوٹانا ہے، جب آپ ادائیگی شروع کرتے ہیں اور آپ نے ساٹھ فیصد ستر فیصد ادا کیا تو گورنمنٹ باقی پیسہ اصل مال میں سے معاف کر دیتی ہے، آپ اکثر سنتے ہیں کہ کسانوں کا قرضہ معاف کیا فلاں کا قرضہ معاف کیا یہ حکومتی اسکیمیں ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ حکومت جتنی بھی امدادی اسکیمیں جاری کرتی ہے اس میں ادائیگی جب شروع ہوتی ہے تو اصل سے پہلے سود کی وصولی ہوتی ہے، آپ کی پہلی ادائیگی سود کیوں ہوتی ہے؟ اس کے بعد راس المال میں سے ادا ہوتا ہے لہذا جب تک اس مسئلے کا حل معقول بنیادوں پہ نہ نکلے کہ ہمارے راس المال ہی میں سے ادائیگی ہو، نہ ہم سود دیں گے نہ کچھ لیکن ہمیں غیر سودی قرضہ دیا جائے پھر اسی میں سے معافی دی جانے والی شکل نکالنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

(٧) بیٹی اسکیم: مثال کے طور پر بچی پیدا ہوئی، آپ نے حکومت کے سسٹم میں اپنی بچی کا نام لکھوادیا، دفتر میں فورا بچی کے نام پہ پانچ لاکھ روپیہ بسا اوقات دس لاکھ روپیہ ڈپوزٹ کر دیا جاتا ہے، اب یہ پیسہ بینک میں بچی کے نام پر ہی رہے گا لیکن ملے گا کب؟ جب بچی اٹھارہ سال کی ہو جائے گی، اس سے پہلے نہیں ملے گا، حکومتی امداد حلال اور جائز ہے لیکن حکومت کے دینے کا جو طریقہ ہے وہ یہ کہ وہ بینک میں ڈپوزٹ کرتی ہے اور اٹھارہ سال کے بعد آپ کو جو پیسہ ملتا ہے وہ سود کے ساتھ ملتا ہے اور وہ سود والا پیسہ لینا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔

(٨) گولڈ لون یا گولڈ اسکیم: یعنی گھر میں سونا رکھا ہے اور سونے کو ضمانت کے طور پہ رکھ کے لون ملتا ہے اور اس میں آپ کو انٹرسٹ دینا ہوتا ہے، یہ جائز نہیں ہے لیکن گولڈ کے سلسلے میں ایک اور طریقہ ہے جس کا آج کل سونے کی مارکیٹ میں بہت زیادہ رواج ہے وہ ''گولڈ اسکیم'' کہلاتا ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ آج اپ کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے، آپ نے اس ایک ہزار سے دوکان دار کے پاس اپنا اکاؤنٹ کھلوا دیا اور اس کے پاس ایک ہزار جمع کر دیا پھر کل دو ہزار روپے جمع کر دیا، اس طرح سال بھر کے بعد آپ کا جتنا پیسہ جمع ہوگا اتنے کا سونا دوکان دار ایک ساتھ آپ کو دے گا اور بعض سونے کے دوکاندار ایک اور معاملہ رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ آج آپ ایک ہزار روپیہ دے کر جا

رہے ہیں تو جتنے ملی گرام سونا اس ایک ہزار روپے کا ہوتا ہے وہ آپ کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے، ایسے ہی سال بھر آپ جتنا جمع کر پائے سال کے اخیر میں آپ سے لے لیا جاتا ہے اور اتنے کا سونا آپ کو دے دیا جاتا ہے، اس قسم کی اسکیموں کو ''گولڈ اسکیم'' کہا جاتا ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں یہ سود کی شکل ہے جو کہ حرام اور ناجائز ہے، پیسے یا سونے کو آپس میں ایک دوسرے کے بدلے میں خریدیں تو کمی زیادتی ہوسکتی ہے لیکن ایک ہاتھ دو ایک ہاتھ لو ہونا چاہیے جبکہ یہاں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہوتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے اکاؤنٹ میں لکھ دیا جاتا ہے تو انہیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ شریعت مطہرہ کی نظر میں آپ کے اکاؤنٹ میں لکھنا یہ کافی نہیں بلکہ مال آپ کے حوالے کرنا ضروری ہے اس لیے یہ گولڈ کی اسکیم بھی سود کی مروجہ شکلوں میں سے ایک ہے۔

(۹) ہیوی ڈپوزٹ لینا یا دینا: ایک شکل ہمارے سماج میں جو رائج ہے وہ ہے ہیوی ڈپوزٹ کی جسے آپ ''لیز'' بھی کہتے ہیں یہ خالص سودی معاملہ ہے۔

بعض اہل علم نے اسے ایک دوسرے نقطۂ نظر سے حل کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ چونکہ منفعت کے بدلے میں منفعت کا تبادلہ ہو رہا ہے اس لیے جائز ہے لیکن ان کا یہ موقف مرجوح ہے کیونکہ ہیوی ڈپوزٹ خالص سودی شکل ہے۔

(۱۰) پیسے سے پیسہ لینا اور کمی یا زیادتی کرنا: سود کی ایک اور شکل جو ہمارے سماج میں رائج ہے کہ مجھے سو روپیہ کے چلر یا سکے چاہیے، چنانچہ میں دوکان دار کے پاس جاتا ہوں اور اس کو سو روپیہ دیتا ہوں اور وہ مجھے ۹۵ یا ۹۸ روپے دیتا ہے یعنی کم کر کے دیتا ہے تو حرام اور ناجائز ہے کیونکہ پیسے کو پیسے کے بدلے میں دیں تو برابر کا برابر لینا چاہیے۔

ایک بنیادی قاعدہ: روپے کو روپے کے بدلے میں دیں گے تو برابر، ریال کو ریال کے بدلے میں دیں گے تو برابر اور ڈالر کو ڈالر کے بدلے میں دیں گے تو برابر ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے والا معاملہ بھی ہونا چاہیے، اور اگر آپ روپے سے ڈالر خرید رہے ہیں تو کم زیادہ ہوسکتا ہے لیکن ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے والا معاملہ ہی ہونا چاہیے اور آپ کا قبضہ بھی مکمل ہونا چاہیے، کرنسی کے تبادلے کا جو مسئلہ ہوتا ہے اس میں اکثر اس شرط کی پابندی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے معاملہ سودی ہو جاتا ہے۔

علاج: اختصار کے ساتھ سود اور اس کی شکلوں سے بچنے کا حل اور علاج بھی پیش کیا جاتا ہے:

(۱) سود کے لین دین کے بجائے حلال تجارت کو عام کرو، چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کرو اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو ''مضاربت'' کا اصول اپناؤ یعنی پارٹنرشپ پر کاروبار شروع کرو یا کسی کی تجارت میں اپنا بھی حصہ شامل کرلو،

اس پر عمل کر کے سودی معاملات سے بچا سکتا ہے کیونکہ تجارت میں اللہ نے برکت کا وعدہ کیا ہے۔

(۲) مال کے معاملے میں حلال پر جم جاؤ، سمجھوتہ نہ کرو، کیونکہ دنیا کی بیس فیصدی آبادی والی قوم یعنی مسلمان اگر یہ ٹھان لیں کہ وہ سودی لین دین کے ہر معاملے اور ہر شکل سے دور رہیں گے تو دنیا ان کے سامنے جھکے گی اور سود سے پاک معاملات کا فروغ ہوگا اس لیے کہ دنیا مال کی پجاری ہے اور اتنا بڑا خسارہ اور نقصان وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے، لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور آسانی کے ساتھ کسی بھی سودی معاملے کو قبول کر لیتے ہیں۔

(۳) غیر سودی قرض کو عام کرنا: اس لیے کہ یہی اصل ہے، اگر سماج میں اس کو عام کر دیا جائے تو لوگ سودی معاملات میں پڑنے سے بچ جائیں گے اور ایسا قرض دینے والے کو نبی ﷺ کی جانب سے بتائی گئی فضیلت بھی حاصل ہوگی کہ انسان کسی کو قرض دیتا ہے تب بھی گویا کہ وہ اپنے بھائی پر صدقہ کر رہا ہے اور صدقے کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے اور اگر قرض لینے والا قرض لوٹا نہیں پا رہا ہے اور قرض دینے والا اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرتا ہے اور اس کو مہلت دے دیتا ہے تو اس کو اور زیادہ فضیلت ملتی ہے اور اللہ بھی اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرتا ہے۔

(۴) اسلامی بیت المال کا قیام: چاہے چھوٹے پیمانے پر ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کا قیام ہو جائے اور یہاں سے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے دس پندرہ ہزار روپے غیر سودی قرضے دیئے جائیں تو لوگ بہت حد تک سودی معاملات میں پڑنے سے بچ جائیں گے۔

(۵) اپنی ضرورتوں کو محدود کرنا: بہت دفعہ انسان اپنی خواہش اور شوق کو پورا کرنے کے لیے بھی سودی قرضہ لے لیتا ہے جو کہ درست نہیں ہے، اگر بہت ضرورت ہے اور واقعی مجبوری کی کیفیت ہے تبھی قرض لے لیکن یہ قرضہ سودی نہ ہو یعنی اگر وہ اپنی ضرورت محدود کر لے تو آسانی سے سود میں پڑنے سے بچ سکتا ہے، اور اگر ضرورت پر اسے کوئی قرض دینے والا نہیں ہے اور وہ نہایت ضرورت مند ہو چکا ہے تو شریعت نے اس کے لیے زکوۃ کا دروازہ کھول رکھا ہے کہ زکوۃ لو اور اپنی ضرورت پوری کرو، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب زکوۃ لینا ہو تو انسان کے دل میں عزت نفس کی بات آتی ہے اور سود لینا ہو تو عزت نفس کا نہیں سوچتا یعنی وہ دین سے تو سمجھوتہ کر سکتا ہے لیکن عزت نفس سے سمجھوتہ کرنا اس کو گراں اور بھاری محسوس ہوتا ہے۔

محترم قارئین! سود کی یہ چند شکلیں تھیں جو اس مضمون کے حوالے سے آپ کے سامنے پیش کی گئیں، ساتھ ہی سود سے بچنے کے ممکنہ حل اور علاج بھی پیش کر دیئے گئے، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں سود میں پڑنے سے بچائے اور غیر سودی قرض کے لین دین کو فروغ دینے کی توفیق بخشے۔ آمین

انشورنس کی قسمیں اور ان کے احکام

دکتور نوح عالم مدنی حفظہ اللہ

قبل اس کے کہ میں موضوع کی تہہ میں داخل ہو جاؤں آپ کے لیے یہ بات واضح کر دوں کہ چار قاعدے یاد رکھیے۔ یہ باتیں میرے موضوع سے متعلق بھی ہیں اور تجارت کے جو مضامین گزر گئے ان سے بھی متعلق ہیں اور ان شاءاللہ آنے والے مضامین میں بھی آپ کو کام آئیں گی۔

پہلا نکتہ: اگر کسی معاملہ میں غرر پایا جا رہا ہے تو وہ معاملہ حرام ہے۔

غرر ایک ایسی بیماری ہے جو وائرس کی طرح ہے، غرر کثیر مراد ہے۔

دوسرا نکتہ: اگر کسی معاملہ میں سود پایا جا رہا ہے تو وہ بھی حرام ہے۔

سود کی دو قسمیں ہیں: ربا الفضل اور ربا النسیئہ۔

تیسرا نکتہ: اگر کسی معاملہ میں جوا پایا جا رہا ہے یا وہ معاملہ جوا پر مبنی ہے تو وہ معاملہ حرام ہے۔

لہٰذا چار باتیں یاد رکھیے: ۱۔غرر (دھوکہ) ۲۔ربا الفضل (ادھار کا سود) ۳۔ربا النسیئہ (تاخیر کا سود) ۴۔قمار (جوا)

جوں جوں دنیا ترقی کرتی گئی، بیع وشراء اور معاملات کی شکلوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ دنیا کے اندر انسان مال سے محبت کرتا ہے اور کمانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ہماری شریعت نے ہمیں واضح نظام دیا ہے کہ مال کمانے کا طریقہ جو حلال ہے اسے اختیار کرو اور جو حرام طریقہ ہے اسے چھوڑ دو، ایسی ہی صورت میں نجات ملے گی۔

چونکہ آج کا موضوع انشورنس ہے۔ اس لیے اس کا حکم بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انشورنس ہے کیا؟ کیونکہ جب تک آپ انشورنس کو نہیں جانیں گے تب تک آپ اس کی شکلوں کو بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

انشورنس کی حقیقت: انشورنس ایک ''نازلہ'' یعنی جدید مسئلہ ہے۔ قدیم فقہاء کے یہاں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سب سے پہلے ابنِ عابدین رحمہ اللہ (وفات ۱۲۵۲ھ) نے اس کا ذکر کیا۔ ان کے زمانے میں یہ ''سوکرا'' کے نام سے مشہور تھا۔

دستاویزی انشورنس سب سے پہلے اٹلی میں ۱۳۴۷ء میں شروع ہوا۔ پھر ۱۶۶۶ء میں لندن میں آگ لگی تو وہاں سے بری بیمہ یا بری انشورنس عام ہوا، جس کی مختلف شکلیں آج سماج میں موجود ہیں۔

انشورنس کیا ہے؟ یہ دراصل ایک معاہدہ ہے کہ:

بیمہ دار (انشورنس لینے والا) کمپنی کو کچھ رقم دیتا ہے۔

کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ اگر فلاں حادثہ یا نقصان ہو گیا تو وہ اس کی بھرپائی کرے گی، اور اگر نقصان نہ ہوا تو وہ رقم کمپنی کی ہو جاتی ہے۔

انشورنس کے بنیادی ارکان (سات چیزیں): (۱) بیمہ دار (Insured)۔ (۲) کمپنی (Insurer) (۳) بیمہ دار کا پیسہ دینا (Premium) (۴) کمپنی کی طرف سے معاوضہ دینا (Claim) (۵) خطرہ (Risk) جو ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ (۶) ایجاب (Offer) (۷) قبول (Acceptance) ان سات کے بغیر انشورنس وجود نہیں رکھتا۔

انشورنس کی قسمیں: انشورنس کی دو قسمیں ہیں: (۱) کمرشیل انشورنس (تجارتی بیمہ) مقصد صرف منافع کمانا۔ (۲) تعاونی انشورنس، مقصد مدد اور تعاون

کمرشیل انشورنس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: بعض کہتے ہیں جائز ہے: (لیکن یہ قول کمزور ہے)

انشورنس کو جائز کہنے والے علماء کے دلائل:

پہلی دلیل: اصل میں ہر معاملہ حلال ہے۔

ان علماء کا کہنا ہے کہ شریعت کا اصول ہے:

"الأصل في المعاملات الحل حتى يدل الدليل على التحريم"۔

یعنی اصل میں تمام معاملات جائز ہیں جب تک کوئی واضح دلیل حرمت پر نہ آجائے۔

چونکہ انشورنس ایک مالی معاملہ ہے، لہٰذا اس کی اصل حلت ہے۔

دوسری دلیل: دیت کی مثال

وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ:

اگر کوئی شخص کسی کو خطا (غلطی) سے قتل کر دے تو قاتل پر دیت واجب ہو جاتی ہے۔

دیت سو اونٹ ہے، جو تین سال میں ادا کیے جاتے ہیں۔

لیکن یہ دیت صرف قاتل نہیں دیتا بلکہ اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) سب مل کر ادا کرتے ہیں۔

ان علماء کا کہنا ہے کہ:

''یہی انشورنس ہے کہ ایک فرد کے نقصان کو سب مل کر تقسیم کر لیتے ہیں تا کہ بوجھ ہلکا ہو جائے''۔

تیسری دلیل: میثاق (معاہدہ) والی آیت:

قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ [النساء: ۳۳]

''اور جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے، انہیں ان کا حق دے دو''۔

قدیم زمانے میں لوگ یہ معاہدہ کرتے تھے کہ اگر تجھے نقصان پہنچے تو میں مدد کروں گا، اور اگر مجھے نقصان ہوتو تو میری مدد کرے گا۔

ان علماء کا کہنا ہے کہ انشورنس بھی اسی طرح کا معاہدہ ہے، لہٰذا یہ قرآن سے ثابت ہے۔

لیکن ان دلائل پر جمہور علماء نے اعتراض کیا ہے:

پہلی دلیل کا جواب: اصل میں ہر معاملہ حلال ہے یہ قاعدہ درست ہے، لیکن اگر اس میں غرر (دھوکہ)، جوا یا ربا (سود) آجائے تو وہ استثناء ہو جائے گا اور حرام ہوگا۔ انشورنس میں یہ سب موجود ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب: دیت کی مثال، یہ حکومت و شریعت کی طرف سے فرض کیا گیا نظام ہے، جبکہ انشورنس کمپنی منافع کمانے کے لیے کرتی ہے، نیت اور حقیقت دونوں مختلف ہیں۔

تیسری دلیل کا جواب: میثاق والی آیت، جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے (اب وارث صرف شریعت کے مطابق ہوں گے، معاہدے سے نہیں) اگر اسے برقرار بھی مان لیا جائے تو یہ تعاون ہے، نہ کہ پیسے کے بدلے خرید و فروخت۔

اس طرح جمہور کا موقف یہ ہے کہ کمرشل انشورنس ان دلائل سے ثابت نہیں ہوتا، اس لیے وہ حرام ہے۔

دوسرا قول: بعض کہتے ہیں کچھ انشورنس جائز ہیں جیسے موٹر، گاڑی، جہاز، پانی جہاز وغیرہ۔

اور کچھ انشورنس ناجائز ہیں جیسے ہیلتھ انشورنس اور لائف انشورنس وغیرہ۔

دلیل: اس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔

شریعت میں مصالح کی تین قسمیں ہیں، مختصر یہ کہ وہ مصالح جن کے خلاف قرآن وسنت کے نصوص موجود ہوں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے لہٰذا انشورنس کرنا ایک موہوم مسئلہ ہے اور شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تیسرا قول: جمہور علماء: تمام کمرشیل انشورنس حرام ہیں۔

کمرشل انشورنس کو حرام کہنے والے جمہور علماء کے دلائل:

پہلی دلیل: غرر (غیر یقینی/دھوکہ دہی) یعنی جس کے انجام سے سب بے خبر ہیں۔

انشورنس کے معاہدے میں انجام نامعلوم ہوتا ہے:

بیمہ دار کو معلوم نہیں کہ اسے کتنی رقم ملے گی۔

کمپنی کو معلوم نہیں کہ اسے کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی۔

خطرہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بیع یا ایسے معاملے سے منع فرمایا ہے: "نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ"۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غرر والے سودے سے منع فرمایا''۔ [صحيح مسلم]

اس بنا پر یہ معاہدہ غرر کی وجہ سے ناجائز ہے۔

دوسری دلیل: ربا (سود) کی موجودگی، اور اس میں سود کی دونوں قسمیں شامل ہیں۔

بیمہ دار تھوڑی رقم دیتا ہے۔

اگر حادثہ ہو جائے تو کمپنی زیادہ رقم دیتی ہے، اور اگر نہ ہو تو کچھ نہیں دیتی۔

مثال: کسی نے کمپنی کو پانچ ہزار روپے دیئے، اور جب حادثہ ہوا تو کمپنی نے پچاس ہزار روپے ادا کر دیئے۔

یہ واضح طور پر ربا الفضل ہے (کم دے کر زیادہ لینا)

ساتھ ہی یہ ادائیگی موخر بھی ہوتی ہے، اس لئے اس میں ربا النسیئہ بھی شامل ہے۔

تیسری دلیل: قمار (جوا/شرط) یعنی ایسا معاملہ جس میں فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی، انشورنس میں بھی یہی معاملہ ہوتا ہے کہ اس کا نتیجہ یقینی نہیں ہے:

ہو سکتا ہے کہ بیمہ دار کا فائدہ ہو، یا ہو سکتا ہے کہ کمپنی کا فائدہ ہو، تو ایسی صورت میں یہ بالکل جوا ہے۔

"أن تكون منفعة أحد الطرفين مرتبطة بحدوث أمر غير معلوم".

''یعنی دونوں فریقین میں سے کسی ایک کا نفع کسی غیر یقینی امر کے ساتھ جڑا ہوا ہے''۔

اور ہماری شریعت نے جوا کو حرام قرار دیا ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ... رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾ [المائدہ:۹۰]

چوتھی دلیل: تعاون کے بجائے تجارتی مقصد

کمرشل انشورنس کمپنیوں کا مقصد صرف منافع کمانا ہوتا ہے، نہ کہ لوگوں کی مدد۔

شریعت تعاون اور باہمی مدد کی اجازت دیتی ہے، لیکن تجارتی نفع کے ساتھ غرر، سود اور جوا کو ہرگز جائز نہیں کرتی۔

پانچویں دلیل: صحابہ وسلف صالحین کے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔

انشورنس جدید ایجاد ہے۔

صحابہ اور سلف صالحین نے ہمیشہ غرر، جوا اور سود سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔

چونکہ اس میں یہ تینوں خرابیاں ہیں، لہٰذا یہ ان اصولوں کے خلاف ہے۔

خلاصہ: جمہور علماء کہتے ہیں کہ چونکہ تین بڑے ''وائرس'' (خرابیاں) کمرشیل انشورنس میں پائے جاتے ہیں:

غرر: انجام نامعلوم، دھوکہ دہی۔ ربا: کم دے کر زیادہ لینا، اور مؤخر لین دین۔ قمار: جوا، غیر یقینی نتیجہ پر شرط لگانا۔

لہٰذا کمرشیل انشورنس ناجائز وحرام ہے۔

کمرشل انشورنس کی قسمیں:

(۱) لائف انشورنس: بیمہ دار کمپنی کو کچھ پیسہ دیتا ہے اور کمپنی اس سے کہتی ہے کہ اگر آپ دس سال کے اندر مر گئے تو آپ کو اتنا اتنا پیسہ ملے گا اور اگر دس سال میں نہیں مرتے ہیں تو بھی آپ کو آپ کا پیسہ دے دیا جائے گا لیکن سود کے ساتھ۔

یہ حرام ہے کیونکہ اس میں ربا الفضل، ربا النسیئہ اور جوا تینوں موجود ہے۔

(۲) مال یعنی پراپرٹی، گاڑی، کارخانہ انشورنس: بیمہ دار کمپنی سے کہتا ہے کہ میری گاڑی، گھر یا کارخانہ ہے اور میں دس سال کے لیے اس کا انشورنس کرنا چاہتا ہوں اور وہ کمپنی کو پریمیئم کے طور پر ایک رقم ادا کرتا ہے اور کمپنی اس سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ اگر دس سال کے اندر تمہارے کارخانے میں کوئی نقصان ہو گیا یا جل گیا یا اور کچھ ہو گیا تو اس کی بھرپائی کی ذمہ داری ہماری ہوگی، لیکن اگر نقصان نہیں ہوا تو آپ نے جو پریمیئم مجھے دیا تھا اس میں سے آپ کو ایک روپیہ بھی نہیں ملے گا۔

یہ حرام ہے کیونکہ اس میں غرر (دھوکہ) ہے، جوا ہے، اور سود کی دونوں قسمیں بھی اس میں شامل ہو جاتی ہیں اس لیے کہ اگر واقعی نقصان ہو گیا تو اس کو بہت زیادہ پیسہ ملے گا۔

(۳) تھرڈ پارٹی انشورنس: یہ بھی تجارتی قسم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس گاڑی ہے، آپ بیمہ کمپنی کے پاس جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ دیکھیے اگر میری گاڑی سے میں نے کسی کو ٹکر مار دیا اور اس گاڑی کا سامان مجھے بھرنا پڑا تو میں نہیں بھروں گا، آپ اتنا پیسہ لیجیے اور آپ بھر دیجیے گا تو کمپنی اس سے کہتی ہے کہ کوئی بات نہیں ہے اور وہ راضی ہو جاتی ہے۔

تو اب یہ بتائیے کہ اس کا گاڑی کو ٹھوکنا یقینی ہے؟ یقینی نہیں ہے، ہو سکتا ہے ٹھوکے ہو سکتا ہے نہ ٹھوکے، ہو سکتا ہے وہ کسی کو نقصان پہنچائے اور ہو سکتا ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچائے، تو اگر نقصان پہنچایا تو کتنے مقدار کا نقصان پہنچایا دس

ہزار کا بیس ہزار کا تیس ہزار کا، میں نے دیا ہے پانچ سو روپیہ، پتہ چلا کہ میں نے بیس ہزار کا نقصان کر دیا کمپنی بیس ہزار دے گی تو ہم نے پانچ سو کے بدلے بیس ہزار لیا، یہ تو بالکل ربا الفضل بھی ہے اور ربا النسیئہ بھی، دوسری بات یہ کہ ٹھوکوں گا یا نہیں ٹھوکوں گا یا مجھ سے نقصان ہوگا یا نہیں ہوگا یہ پتہ نہیں ہے لہٰذا یہ غرر میں بھی آتا ہے اور جوا میں بھی آتا ہے۔

(۴) میڈیکل انشورنس: میڈیکل انشورنس میں ہوتا یہ ہے کہ بیمہ دار کمپنی سے کہتا ہے کہ اگر میں پانچ سال کے اندر بیمار ہوا تو آپ کو میرا علاج کرنا پڑے گا اور کمپنی اس پر حامی بھر لیتی ہے اور اس کے علاج کا خرچہ اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔

یہ بھی غرر، ربا الفضل، ربا النسیئہ اور جوا چاروں قسم کے وائرس کی وجہ سے حرام ہے۔

انشورنس کی دوسری قسم: تعاونی یا غیر تجارتی انشورنس (جائز)

غیر تجارتی انشورنس: یہ جائز ہے۔

دس یا بیس لوگ مل کر ایک فنڈ میں رقم جمع کریں، ان کی نیت صدقہ اور تعاون ہو، نہ کہ منافع۔

نقصان والے کو اسی فنڈ سے مدد دی جائے۔

یہ جائز ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی صحابہ کے عمل سے اس کی اصل موجود ہے۔

دلیل: عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ”إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ، جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ“. حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اشعری لوگ جب جہاد میں رسد کی کمی کا شکار ہو جائیں یا مدینہ میں ان کے اہل وعیال کا کھانا کم پڑ جائے تو ان کے پاس جو کچھ بچا ہوا سے ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں، پھر ایک ہی برتن سے اس کو آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں“۔ (وہ میرے قریب ہیں اور میں ان سے قربت رکھتا ہوں)۔ [صحيح مسلم: ۲۵۰۰]

ملک ہندوستان کے تناظر میں ایک اہم مسئلہ:

جب کسی جگہ یا کسی حکومت میں انشورنس لازمی کر دیا جائے جیسے گاڑی کا انشورنس وغیرہ تو ایسی صورت میں انشورنس کروانا جائز ہے۔

لیکن جب انشورنس کا پیسہ ملے تو صرف اپنی جمع کردہ رقم ہی لینا چاہیے، اور زائد رقم واپس کر دینا یا صدقہ کر دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حرام انشورنس سے بچائے، حلال راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے رزق کو پاکیزہ بنائے۔ آمین۔

کیش بیک، بونس، منی ٹرانسفر اور ڈسکاؤنٹ کے مسائل

ڈاکٹر عبدالغنی القوفی مدنی حفظہ اللہ

حقیقت یہ ہے کہ بیع، شرکت، تجارت اور قرض یہ ایسے معاملات ہیں جن میں ہر گزرتے وقت کے ساتھ نئی نئی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ اور ان تبدیلیوں کو منضبط کرنے کے لیے اگر کوئی واضح اصول پیش کیا جا سکتا ہے تو وہی ہے جو قرآن وسنت نے بیان کیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہمیں ان چیزوں کو دیکھنا ہوگا جو کسی معاملے کے جواز پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ غرر کا معاملہ، دھوکے کا معاملہ۔ ظاہری بات ہے کہ بیع میں مکمل طور پر غرر کا انکار نہیں کیا جا سکتا، کسی نہ کسی درجے میں بیع کی تقریباً ہر شکل میں کچھ نہ کچھ رِسک موجود ہوتا ہے۔ اسی لیے غیر مضر غرر کی بات کی جاتی ہے کہ غرر زیادہ نہ ہو۔ اسی طرح قمار (جوا) کا مسئلہ ہے اور پھر ربا (سود) کا مسئلہ ہے۔

مجھے کیش بیک، بونس، منی ٹرانسفر، اور ڈسکاؤنٹ وغیرہ کے تعلق سے کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔ سب سے پہلے میں مختصراً یہ بات پیش کر دوں کہ یہ چیزیں ہیں کیا؟

(۱) کیش بیک:

یہ عام طور پر ایسی پیشکش ہوتی ہے جس میں خریدار کو خریداری کرنے کے بعد کچھ مخصوص رقم واپس دی جاتی ہے۔ یہ رقم عام طور پر اسی ادارے کی طرف سے دی جاتی ہے جس سے خریداری کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی خاص کریڈٹ کارڈ یا موبائل ایپ کے ذریعے خریداری کرنے پر کُل خریداری کا کچھ فیصد واپس ملتا ہے۔

اس کے تعلق سے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ کیش بیک کا جو کارڈ دیا گیا ہے یا یہ جو آفر ہے، یہ کسی شرط یا سودی لین دین سے مشروط نہیں ہے تو پھر اس کا جائز ہونا بنتا ہے۔ اجمالی طور پر اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اور اگر سودی کریڈٹ کارڈ وغیرہ پر مل رہا ہے تو سود کی وجہ سے وہ چیز ناجائز ہوگی۔ لیکن اگر بغیر سود کے، بغیر کسی شرط کے ہے، جیسے بعض اسلامی بینکوں کی جانب سے یہ سہولت دی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں یہ جائز ہے۔ البتہ اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

(۲) بونس:

یہ ایک اضافی رقم ہے جو کارکردگی یا خوشی کے اظہار میں دی جاتی ہے۔ مثلاً جہاں کوئی شخص کام کر رہا ہے، کمپنی والے

عید یا نئے سال کے موقع پر، یا کمپنی کے نفع میں اضافہ ہونے پر یا کسی خاص کام کی کامیاب تکمیل کے بعد کارکن کو جو رقم دیتے ہیں وہ بونس کہلاتی ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ کارکردگی کی بنیاد پر دی جائے اور اس میں سود یا دھوکہ شامل نہ ہو تو یہ جائز ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ کاروبار خود حلال ہو۔اگر کاروبار ہی حلال نہ ہوگا تو پھر بونس کا حکم بھی کاروبار کے حکم کے تابع ہوگا۔

(۳) منی ٹرانسفر:

یہ عام طور پر ایک شخص یا ادارے کی طرف سے دوسرے شخص یا ادارے کو رقم منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔آج کل بینک، موبائل ایپس اور دیگر مالیاتی اداروں کے ذریعے یہ کام ہوتا ہے۔زیادہ تر لوگ اپنے اہل وعیال کی مدد یا کاروباری مقاصد کے لیے کرتے ہیں۔منی ٹرانسفر بذاتِ خود جائز ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، بشرطیکہ رقم جائز طریقے سے منتقل کی جارہی ہو اور اس میں کوئی سودی یا حرام عنصر شامل نہ ہو۔اگر سود یا ناجائز فیس اس میں لی جائے تو پھر وہ حرام ہے۔

(۴) ڈسکاؤنٹ:

یہ قیمت میں کمی ہے جو خریدار کو مخصوص حالات یا کسی پیشکش کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔یہ کمی عام طور پر کاروباری لوگ خریدار کو راغب کرنے اور اپنی چیز زیادہ بیچنے کے لیے کرتے ہیں۔ڈسکاؤنٹ کا حصول بنیادی طور پر جائز ہے بشرطیکہ خرید وفروخت جائز ہو اور قیمت میں کمی صارف کے فائدے میں کی جائے۔اگر ڈسکاؤنٹ میں کوئی سود یا دھوکہ شامل نہ ہو تو یہ حلال ہے۔

اب آیئے، تھوڑا سا اس کی بعض شکلوں کی طرف چلتے ہیں۔

کیش بیک کا معاملہ:

جیسا کہ میں نے ذکر کیا، یہ بیع اور قرض کی نئی شکلوں میں سے ہے، اور ان کے بارے میں علماء کرام کے مختلف نقطۂ نظر ہیں۔بعض علماء ایک خاص زاویے سے دیکھتے ہیں جبکہ بعض دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں۔اس لیے ایسے مسائل میں صاف طور پر یہ کہہ دینا کہ یہ بالکل جائز ہے یا بالکل ناجائز ہے، بڑی جسارت کی بات ہے۔اور علماء کا طریقہ یہ ہے بھی نہیں۔ایسے مسائل عام طور پر بڑی فقہی اکیڈمیوں کے حوالے کیے جاتے ہیں۔

مجھے اس موضوع کی تیاری کے دوران ایک چیز پر تعجب ہوا۔"مجمع الفقہ الاسلامی" سعودی عرب جیسے بڑے ادارے کے فتاویٰ دیکھنے کو ملے تو بعض شکلوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ابھی اس پر مزید غور کرنے کی ضرورت

ہے کہ اس کا حقیقی ماحصل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بین الاقوامی سطح کے بڑے بڑے علماء ان شکلوں میں بعض کے بارے میں کوئی واضح بات کہتے ہوئے جھجکتے ہیں تو ہم جیسے عام لوگ تو بالکل ہی محتاط رہیں گے۔

شیخ خشلان (سعودی عرب کے مشہور عالم) جن کی مالیاتی معاملات پر خاص نظر ہے، انہوں نے یہ مسئلہ ذکر کیا کہ بعض بینک ہر خریداری کے وقت نقد رقم دیتے ہیں اور یہ کیش بیک کارڈ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہ ایک ڈیجیٹل کارڈ ہوتا ہے جو عام طور پر مفت میں دیا جاتا ہے۔

اب اس کارڈ کی دو شکلیں ہیں:

(۱) کارڈ مفت دیا جائے: اگر یہ فری ہے اور اس میں سود یا غرر نہیں ہے تو اس کا استعمال درست ہے۔

(۲) کارڈ کے بنانے کا اصل خرچ لیا جائے: اگر صرف واجب خرچ لیا جائے تب بھی درست ہے۔ لیکن اگر اس پر اصل خرچ سے زیادہ رقم کاٹی جائے تو پھر وہ درست شکل نہیں رہتی۔

اسی طرح اگر اس کارڈ کے ذریعے رقم واپس کرنے میں تاخیر کی صورت میں جرمانہ لگایا جاتا ہے تو اس وجہ سے ایسے کارڈ کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

پس شرعی اعتبار سے سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کارڈ بذاتِ خود درست ہے یا نہیں۔ اگر کارڈ درست ہے، تو پھر اس پر جو کیش بیک ملتا ہے، اس کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

کیوں؟

اس لیے کہ جب آپ کوئی چیز خریدتے ہیں اور اس کی اصل قیمت ایک ہزار روپے ہے، لیکن بیچنے والا کہتا ہے: میں تمہیں یہ چیز ایک ہزار روپے میں بیچ رہا ہوں مگر تمہیں سو روپے واپس دوں گا۔ تو حقیقت میں یہ صورت ایسی ہی ہے کہ چیز نو سو روپے میں بیچی جارہی ہے۔ اس لیے یہ سود کی صورت نہیں ہے، کیونکہ سود میں نفع قرض دینے والے کو ہوتا ہے، لیکن یہاں فائدہ خریدنے والے کو ہو رہا ہے۔

لہٰذا اگر اس معاملے میں سود یا غرر کی آمیزش نہ ہو تو کیش بیک لینا جائز ہے۔ یہ گویا بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لیے ایک تحفہ یا ہدیہ ہے۔

قرض کم کر کے واپس کرنے کی صورت:

اس بارے میں علماء کرام کے تین اقوال ملتے ہیں:

پہلا قول: یہ شکل جائز نہیں ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اس میں بیع کے ساتھ ایک شرط شامل ہو جاتی ہے کہ قرض کم کر

کے واپس کیا جائے گا، اور یہ درست نہیں۔ اس رائے کے مطابق یا تو پوری بیع فاسد ہو جائے گی یا شرط باطل ہوگی۔

دوسرا قول: کچھ علماء نے کہا کہ قرض اور شرط دونوں صحیح ہیں۔ امام شافعی کے ہاں ایک وجہ یہی بیان کی گئی ہے۔ بعض حنابلہ کے ہاں بھی یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ یہ درست ہے۔

تیسرا قول (راجح قول): موجودہ دور کے بڑے علماء نے کہا ہے کہ یہ شکل جائز ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس میں کمی کر کے جو واپس کیا جا رہا ہے، اس سے فائدہ خریدنے والے کو ہو رہا ہے، بیچنے والے کو نہیں۔ اسی وجہ سے اس کو درست قرار دیا گیا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ قرض جتنا لیا گیا ہے اتنا ہی واپس کیا جائے۔ لیکن وہ اس کو ''عقد معاوضہ'' پر قیاس کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے علماء نے کہا کہ یہ ''عقد قرض'' پر قیاس ہے، اور اس میں کمی بیشی کی اجازت ہے۔

اسی لیے بیع کے معاملات میں نیت اور قیاس کے زاویے سے حکم بدل جاتا ہے۔

جنہوں نے اس کو ''عقد معاوضہ'' کہتے ہوئے بیع پر قیاس کیا، انہوں نے ناجائز کہا۔

اور جنہوں نے اس کو ''عقد قرض'' پر قیاس کیا، انہوں نے کہا یہ جائز ہے۔

اسی بنیاد پر کہا گیا کہ جب یہ ''عقد قرض'' میں داخل ہے، تو اس میں کمی کر کے واپس کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا کیش بیک کا معاملہ بھی راجح قول کے مطابق درست ہے، بشرطیکہ کارڈ خود شرعی اصولوں کے مطابق ہو۔

بونس کا معاملہ:

اس کے بارے میں بھی علماء کرام نے تفصیل سے بات کی ہے۔

اگر بونس کسی ملازم کو اصل تنخواہ کے علاوہ دیا جاتا ہے، بطورِ خوشنودی یا ترغیب کے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً:

کمپنی نے عید یا نئے سال کے موقع پر دیا۔

کمپنی کو نفع ہوا اور اس نفع میں سے ملازمین کو دیا۔

کسی خاص کام کی کامیاب تکمیل پر خوش ہو کر دیا۔

ایسی صورتوں میں بونس جائز ہے، بشرطیکہ اصل کاروبار خود حلال ہو۔ لیکن اگر کاروبار ہی ناجائز ہے تو پھر بونس بھی ناجائز ہوگا۔

میڈیکل اسٹور کی مثال:

یہاں ایک خاص وضاحت ضروری ہے۔ میڈیکل اسٹور والے جب کسی کمپنی یا ایجنسی سے دوائیں خریدتے ہیں تو بعض اوقات کمپنی کی طرف سے انہیں خاص بونس یا کمیشن ملتا ہے۔ اس بونس کی وجہ سے وہ اسی کمپنی کی دوائیں زیادہ فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ اصل میں تو جائز ہے، لیکن اگر اس میں درج ذیل باتیں شامل ہوجائیں تو ناجائز ہوجائے گا:

اگر اس میں سود، قمار (جُوا) یا غرر (دھوکہ) آ گیا یا اگر مریض کو دھوکہ دے کر مہنگی دوا بیچنے کی نیت ہو تو یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔

مزید یہ کہ بونس کا حق دار کون ہے؟

کیا میڈیکل اسٹور کا کارکن (جو وہاں ملازم ہے)؟ یا اسٹور کا مالک؟

علماء نے کہا ہے کہ یہ بونس مالک کا حق ہے، نہ کہ کارکن کا۔

اسی طرح مریض کو دھوکہ دینا ناجائز ہے۔ مثال کے طور پر: ایک انجیکشن کی اصل قیمت نو سو روپے ہے، لیکن مارکیٹ میں وہی انجیکشن گیارہ سو یا بارہ سو میں بھی بیچا جا رہا ہے۔ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے، اور افسوس کہ میڈیکل لائن میں یہ فراڈ عام ہے۔

لہٰذا اگر بونس یا کمیشن میں دھوکہ، سود یا ناجائز عنصر شامل ہو تو وہ جائز نہیں۔ ورنہ اس کا لینا جائز ہے۔

ڈسکاؤنٹ کا معاملہ:

ڈسکاؤنٹ کی اصل یہ ہے کہ وہ جائز ہے۔ کسی چیز کی قیمت میں کمی، خریدار کو راغب کرنے یا سامان زیادہ فروخت کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ اگر اس میں سود شامل نہ ہو، دھوکہ شامل نہ ہو، یا کوئی ناجائز شرط نہ ہو تو ڈسکاؤنٹ کا لینا اور دینا جائز ہے۔

البتہ اگر ڈسکاؤنٹ میں مقصود صرف دھوکہ دینا ہو، یا اس میں قمار یا سود شامل ہو تو پھر وہ ناجائز ہوجائے گا۔

مضمون کے اخیر میں اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اس پروگرام میں مل بیٹھ کر کچھ باتیں کرنے کا موقع دیا، جو باتیں صحیح ہیں، وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہیں، اور جو غلط ہیں وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہیں۔ میں ان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

و صلى الله و سلم على نبينا محمد، و على آله و أصحابه أجمعين۔

مضاربت اور پارٹنر شپ کے اسلامی اصول

دکتور نسیم مدنی حفظہ اللہ

مضاربت ایک شرعی اصطلاح ہے اور یہ دراصل شراکت کی ایک شکل ہے۔ شراکت کا مطلب ہوتا ہے کہ دو فریق آپس میں مل کر کوئی مالی کاروبار کریں تو اسے شراکت کہا جاتا ہے۔ شراکت کی کئی قسمیں ہیں، بنیادی طور پر اس کی پانچ قسمیں ہیں، اگرچہ نئے زمانے میں کچھ نئی شکلیں بھی سامنے آسکتی ہیں، لیکن اصلاً اس کی پانچ شکلیں ہیں۔ ان پانچ شراکتوں میں سے ایک شکل ہے مضاربت۔

مضاربت کی تعریف: مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ دو فریق ہیں:

ایک فریق اپنی طرف سے مال پیش کرتا ہے کہ یہ لو مال۔

دوسرا فریق اس مال کو لے کر اس میں کاروبار کرتا ہے۔

یعنی ایک طرف سے مال ہوتا ہے اور دوسری طرف سے کام اور کاروبار ہوتا ہے۔ اس کے بعد جو فائدہ ہوگا وہ دونوں کے درمیان حسبِ اتفاق تقسیم ہوگا۔ ضروری نہیں کہ آدھا آدھا ہو، بلکہ جس چیز پر دونوں کا اتفاق ہو، اس حساب سے کاروبار کا نفع دونوں میں تقسیم ہوگا۔ گویا کہ ایک طرف سے مال ہوتا ہے اور دوسری طرف سے عمل اور تجارت ہوتی ہے، اور جو فائدہ ہوگا وہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اسے مضاربت کہا جاتا ہے۔

مضاربت کا شرعی حکم: مضاربت کے جواز پر اجماع ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے جواز کی حکمت یہ ہے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس پیسہ تو بہت ہوتا ہے لیکن وقت نہیں ہوتا، یا پیسہ تو ہوتا ہے لیکن کاروبار کرنے کا طریقہ نہیں معلوم، تجربہ نہیں ہوتا، اگر وہ خود کاروبار کریں گے تو ڈوب جائیں گے۔

دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس پیسہ نہیں ہوتا، لیکن تجربہ بہت ہوتا ہے، علم بہت ہوتا ہے، محنت کر سکتے ہیں، سب کچھ جانتے ہیں لیکن پیسہ نہیں ہوتا کہ کاروبار کیسے کریں۔

آپ جانتے ہیں کہ ہماری شریعت میں تعاونِ اسلامی کی بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔ ایک دوسرے کا تعاون کرو، جہاں پر نقص ہو اسے مکمل کرو۔ اسی لیے ہماری شریعت نے شراکت اور مضاربت کو جائز قرار دیا تاکہ لوگ ایک دوسرے کا تعاون کریں۔

مضاربت کی شکلیں: مضاربت کا مطلب آسان الفاظ میں یہ ہے کہ ایک طرف سے مال ہوتا ہے اور دوسری طرف سے تجارت اور عمل ہوتا ہے۔اگر ہم اس پر تفصیل سے غور کریں تو اس کی چار شکلیں بن سکتی ہیں:

(۱) پہلی شکل: مال لگانے والا ایک شخص ہے اور تجارت کرنے والا بھی ایک شخص ہے۔ایک نے مال لگایا، ایک نے تجارت کی۔

(۲) دوسری شکل: مال لگانے والا ایک شخص ہے اور تجارت کرنے والے کئی لوگ ہیں، جیسے کوئی گروپ یا کمپنی۔ مال لگانے والا ایک اور کام کرنے والے کئی ہیں۔

(۳) تیسری شکل: مال لگانے والے کئی ہیں اور کام کرنے والا ایک ہے۔دس لوگ مل کر ایک تجربہ کار شخص کو اختیار دیتے ہیں اور اس کے پاس اپنا مال لگاتے ہیں، وہ اکیلا دسوں کا مال لے کر تجارت کرتا ہے۔

(۴) چوتھی شکل: مال لگانے والے کئی ہیں اور کام کرنے والے بھی کئی لوگ ہیں۔دس لوگ مل کر کچھ تجربہ کار شخص کو اختیار دیتے ہیں اور ان کے پاس اپنا مال لگاتے ہیں، وہ لوگ ان دسوں کا مال لے کر تجارت کرتے ہیں۔

مضاربت کا فقہی اور تکنیکی پہلو: یہ موضوع خالصتاً فقہی اور تکنیکی ہے، بہت پیچیدہ سمجھا جاتا ہے۔جب عام لوگوں کے سامنے بات کرنی ہو تو بہت دشواری کا سامنا ہوتا ہے کہ ان اصطلاحات کو کس طرح آسان الفاظ میں پیش کیا جائے کہ لوگ آسانی سے سمجھ جائیں۔اس لیے میں یہ کوشش کروں گا کہ اس موضوع سے متعلق جو بنیادی باتیں ہیں، جو ہر خاص وعام کو ضرورت پڑتی ہیں، صرف انہی کا ذکر کروں گا اور تفصیلی مسائل سے صرفِ نظر کروں گا۔

مضاربت کی شرعی صحت کے لیے دس شرائط: سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ آج کل جو مضاربت یا سرمایہ کاری کی شکل اختیار کی جا رہی ہے، کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کو پرکھنے کے لیے میں دس نکات میں بات کروں گا، جنہیں شریعت کی اصطلاح میں ''شرائطِ صحتِ مضاربت'' بھی کہا جاتا ہے۔یعنی مضاربت یا سرمایہ کاری کے صحیح ہونے کے لیے بنیادی طور پر دس شرائط ہیں۔لہٰذا میں اپنی گفتگو کو انہی دس نکات تک محدود رکھوں گا، درمیان میں کچھ چیزیں تفصیل کے طور پر بھی ذکر کروں گا۔مضاربت کے صحیح ہونے کے لیے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ دو فریق ہوتے ہیں، ایک فریق سے مال ہوتا ہے، دوسرے سے عمل ہوتا ہے، اور فائدہ دونوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) **پہلی شرط:** راس المال کا نقد ہونا۔جو راس المال ہے، جسے ہم سرمایہ کہتے ہیں، وہ نقد ہونا چاہیے۔نقد کا مطلب چاہے سونا چاندی ہو، آج کل سونے چاندی کو نقد کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا، ہم کرنسی استعمال کرتے ہیں۔سرمایہ

کاری کا جو راس المال ہے وہ نقد کی شکل میں ہونا ضروری ہے۔ کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ جب یہ معاملہ دونوں فریقوں کے درمیان ختم کیا جائے گا، ایک نہ ایک دن دونوں الگ ہوں گے، تو جو سرمایہ ہے وہ سرمایہ کاری کرنے والے کو واپس کیا جائے گا، اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ نقد ہو۔ اگر وہ سامان کی شکل میں ہو، جیسے آپ کہیں کہ میں دس گاڑیاں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہوں، تو سامنے والا ان گاڑیوں کو بیچے گا، کیونکہ بیچے گا نہیں تو پیسہ کہاں سے آئے گا؟ پیسوں سے ہی تو کاروبار کرے گا۔ وہ گاڑیاں بیچ کر پیسہ حاصل کرے گا، پھر کاروبار کرے گا۔ اب جب کل کو شراکت ختم ہوگی تو گاڑیاں کہاں سے واپس کریں گے؟ گاڑیاں تو چلی گئیں۔ لہٰذا سرمایہ کاری میں ضروری ہے کہ سرمایہ نقد کی شکل میں ہو، نہ کہ سامان کی شکل میں۔

اس کا ایک حل ہے اور متبادل ہے۔ جیسے فرض کریں کہ کسی کے پاس نقد نہیں ہے، سامان ہے اور وہ سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے۔ تو جس وقت سرمایہ کاری کر رہا ہے، اس وقت اس کی قیمت طے کر لے کہ مارکیٹ میں اس کار کی قیمت کیا ہے۔ اگر کار کی قیمت دس لاکھ ہے، تو گویا وہ دس لاکھ سرمایہ کاری کر رہا ہے، کار نہیں۔ اگرچہ کئی علماء نے اسے بھی جائز نہیں مانا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اصل میں جو حرمت کی وجہ تھی، یعنی نقد راس المال کو آخر میں واپس کرنا ہے، اگر ہم اس پر عمل کریں تو اس حرمت سے بچ سکتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اگر ہم سامان کو سرمایہ کاری کر رہے ہیں تو اس کی قیمت اسی دن طے کر لیں کہ یہ اتنے کا سامان ہے، گویا ہم نقد سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔

(۲) دوسری شرط: راس المال کا معلوم ہونا۔ جو راس المال ہے وہ معلوم ہونا چاہیے، نامعلوم نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے فرض کریں آپ نے کسی کو ایک تھیلا پیسوں سے بھر کر دیا کہ یہ لو میں سرمایہ کاری کر رہا ہوں، لیکن معلوم نہیں کہ اس تھیلے میں کتنے پیسے ہیں۔ راس المال معلوم ہونا چاہیے۔ اس میں تین چیزوں کا علم ہونا چاہیے: جنس، مقدار، اور صفت۔ اگر کرنسی لگا رہا ہوں تو کیا ڈالر لگا رہا ہوں، ریال لگا رہا ہوں، یا روپیہ لگا رہا ہوں؟ جنس معلوم ہونی چاہیے، مقدار معلوم ہونی چاہیے کہ کتنا لگا رہا ہوں، دس ہزار، بیس ہزار، یا پچاس ہزار؟ صفت بھی معلوم ہونی چاہیے کہ جو لگا رہا ہوں وہ کیش دے رہا ہوں یا کسی اور کے پاس ہے کہ وہاں جا کر لیں۔ مکمل طور پر اس کا علم ہونا چاہیے، اس میں جہالت نہیں ہونی چاہیے۔

(۳) تیسری شرط: راس المال کا بطور امانت ہونا۔ جو سرمایہ ہے، وہ سرمایہ کاری کرنے والے کے پاس امانت کے طور پر ہے۔ یہ اصول یاد رکھیں کہ جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی چیز امانت ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی حادثہ ہو گیا

اور وہ سارا سامان ضائع ہو گیا، جیسے کہ تجارت میں کئی بار ہو سکتا ہے کہ سارا سامان یا پیسہ چوری ہو گیا، تو جو تجارت کر رہا ہے وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ وہ صرف اس صورت میں ذمہ دار ہوگا جب اس نے اپنی طرف سے کوتاہی یا غفلت کی ہو۔ اگر اس نے غفلت یا کوتاہی کی، جسے فقہی اصطلاح میں تقصیر یا تفریط کہتے ہیں، تو وہ ذمہ دار ہوگا۔ ورنہ اگر اس نے کوئی کمی نہیں کی اور مال ضائع ہو گیا، تو سرمایہ کار اسے برداشت کرے گا، نہ کہ تجارت کرنے والا یا کمپنی۔

(۴) چوتھی شرط: نقصان کا ذمہ دار صرف سرمایہ کار ہوگا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ تجارت میں کبھی فائدہ ہوتا ہے، کبھی نقصان ہوتا ہے۔ اگر آپ نے کسی کے پاس یا کسی کمپنی میں سرمایہ کاری کی اور کچھ دنوں تک فائدہ ہوا، لیکن پھر تجارت ڈوب گئی اور نقصان ہو گیا، جیسے کہ ایک لاکھ لگایا تھا اور پچاس ہزار بچا، یعنی سرمایہ کا بھی نقصان ہو گیا، تو یہ نقصان کون برداشت کرے گا؟ یہ نقصان سرمایہ کار برداشت کرے گا۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر یہ غلطی پائی جاتی ہے کہ اگر آپ نے کسی کے پاس پیسہ لگایا، اس نے پوری کوشش کی لیکن تجارت ڈوب گئی، آپ کا سرمایہ بھی ڈوب گیا، تو اس کا ذمہ دار تجارت کرنے والا نہیں ہوگا، بلکہ آپ اس نقصان کو برداشت کریں گے۔

کوئی یہ اشکال کر سکتا ہے کہ جب فائدہ ہو رہا تھا تو دونوں لے رہے تھے، اب نقصان ہو رہا ہے تو اکیلا کیوں نقصان اٹھائے؟ اگر فائدے میں شریک تھا تو نقصان میں بھی شریک ہو، یہی تو انصاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا یہ حکم مکمل طور پر عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ فرق ہمارے سمجھنے میں ہے۔ اگر سرمایہ ڈوب گیا، تو تجارت کرنے والے کو کیا ملے گا؟ فائدہ تو آیا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے اس نے چھ ماہ یا سال بھر محنت کی ہو اور آخر میں ایک روپیہ بھی نہ ملا ہو۔ اس کی محنت ڈوب گئی، آپ کا پیسہ ڈوبا، دونوں کا نقصان ہوا۔ یہی عدل ہے۔ اگر کہا جائے کہ نقصان بھی وہی اٹھائے گا، تو اس کی محنت بھی گئی اور پیسہ بھی الٹا دینا پڑے گا۔ لہٰذا عدل یہی ہے کہ نقصان سرمایہ کار اٹھائے گا۔

(۵) پانچویں شرط: متعدد سرمایہ کاروں میں نقصان کی تقسیم۔ اگر سرمایہ کار کئی ہیں، جیسے کہ کئی لوگوں نے مل کر ایک شخص یا کمپنی میں پیسہ لگایا اور کاروبار میں نقصان ہو گیا، تو یہ نقصان ہر سرمایہ کار اپنے اپنے حصے کے تناسب سے اٹھائے گا۔ جتنا فیصد اس کا پیسہ لگا ہے، اتنا فیصد نقصان میں شریک ہوگا۔

(۶) چھٹی شرط: نفع میں دونوں فریقوں کی شراکت ہوگی۔ دونوں پارٹنر نفع میں شریک ہوں گے، نفع کسی ایک کا نہیں ہوگا۔ اگر ہم کہیں کہ سارا نفع سرمایہ کار لے گا اور تجارت کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا، تو یہ مضاربت نہیں، بلکہ وہ محض کام کر رہا ہے اور آپ کو پیسہ دیتا رہتا ہے۔ یہ مضاربت نہیں ہوگی۔ اور اگر سارا نفع تجارت کرنے والے کے لیے رکھ

دیا اور سرمایہ کار کو کچھ نہ دینے کی شرط لگائی، تو یہ قرض ہے، نہ کہ مضاربت۔ لہٰذا نفع دونوں کو ملنا چاہیے۔

(۷) ساتویں شرط: نفع کا معلوم ہونا۔ نفع معلوم ہونا چاہیے، نامعلوم نہیں ہونا چاہیے۔ اگر بغیر کسی معاہدے کے پیسہ لگا دیا کہ کچھ تم لے لینا، کچھ میں لے لوں گا، تو یہ مضاربت فاسد ہے۔

(۸) آٹھویں شرط: نفع کا فیصد میں ہونا ضروری ہے۔ دونوں فریقوں کا نفع فکس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ فیصد میں ہونا چاہیے۔ جیسے اگر سرمایہ کار کہے کہ ایک لاکھ لو، تجارت کرو، ہر ماہ ایک ہزار مجھے دیتے رہنا، تو یہ فکس ہو گیا۔ یا کہے کہ ہر ماہ ایک ہزار تم لیتے رہنا، باقی مجھے دیتے رہنا، یہ بھی فکس ہو گیا۔ نفع فیصد میں ہونا چاہیے، جیسے کہ ۵۰ فیصد تمہارا، ۵۰ فیصد میرا۔ اگر نفع فکس کر دیا تو یہ سود ہے، کیونکہ گویا آپ نے قرض دیا اور اس سے فائدہ لے رہے ہیں۔

(۹) نویں شرط: تاجر کا حصہ نفع سے ہوگا۔ تجارت کرنے والے کا حصہ نفع سے ہونا چاہیے، الگ سے نہیں۔ اگر کہا کہ ایک لاکھ لو، تجارت کرو، میں الگ سے ہر ماہ ایک ہزار دیتا رہوں گا، تو یہ مضاربت نہیں، اجرت ہے، اور یہ جائز نہیں کیونکہ اجرت یقینی ہونی چاہیے، جبکہ یہاں نفع یقینی نہیں۔

(۱۰) دسویں شرط: نفع کا حساب کتاب۔ نفع کا شمار اس وقت ہوگا جب تجارت ختم کرنے کا فیصلہ ہوگا۔ پہلے سرمایہ الگ کیا جائے گا، اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ نفع ہوگا اور اس میں دونوں شریک ہوں گے۔

اگر ان دس شرائط پر عمل کیا جائے تو مضاربت صحیح ہوگی۔

مضاربت کتنے اسباب کی بنا پر ختم ہوگی؟

(۱) وفات: دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔

(۲) فسخ: کوئی ایک فریق شراکت ختم کر دے۔

(۳) شرعی عذر: کوئی شرعی عذر آ جائے، جیسے قرض وغیرہ۔

(۴) مال کا ہلاک ہونا: مال ہلاک ہو جائے یا سرمایہ ڈوب جائے۔

(۵) وقت کا خاتمہ: وقت مقررہ پر اتفاق ہوا اور وہ وقت ختم ہو جائے۔

(۶) حساب کتاب: تجارت کا سامان بیچ کر حساب کتاب کر لیا جائے۔

اختتامی کلمات: یہ بعض اہم باتیں ہیں مضاربت سے متعلق۔ ان شاء اللہ اگر مزید تفصیلی طور پر یہ موضوع کسی مجلّے میں شائع ہوا تو اس میں تفصیلی مسائل بھی ذکر کیے جائیں گے۔ اللہ رب العالمین ہمیں حلال کی توفیق دے اور حرام سے بچائے۔ آمین

کرپٹوکرنسی (Cryptocurrency)
کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت

دکتور سید حسین مدنی حفظہ اللہ، حیدرآباد

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين و على آله و صحبه أجمعين.

پیش گفتار مورخہ: ۱۳ / اکتوبر ۲۰۲۴ء بروز اتوار بمقام جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ بائیکلہ میں بحمد للہ اسلام کا نظام تجارت کے عنوان پر ایک روزہ عظیم الشان علمی اور شعور بیداری کانفرس کامیاب طور پر منعقد ہوئی جس میں فقہ الواقع کے تئیں انتہائی عمدہ موضوعات اور بڑی ہی چنندہ شخصیات کا انتخاب کیا گیا، زیر بحث موضوعات جیسے تجارت کے اسلامی اصول، تجارت اور صحابۂ کرام، انشورنس کی قسمیں اور ان کی شرعی حیثیت، مضاربت اور پارٹنرشپ کے اسلامی اصول، جوے کی جدید شکلیں، زیورات کی خرید وفرخت سے متعلق غلطیاں، آن لائن بزنس ڈراپ شپنگ اور افیلیٹ مارکیٹنگ، کمیشن کی جائز و نا جائز صورتیں، سود کی شکلیں اور ان سے بچنے کا طریقہ، کیش بیک، بونس، منی ٹرانسفر اور ڈسکاؤنٹ کا شرعی حکم، کرپٹوکرنسی کی تکنیکی حقیقت و شرعی حیثیت، نیٹ ور مارکیٹنگ کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم، ہیوی ڈپازٹ کی شرعی حیثیت، کریڈٹ اور ڈیبٹ کارڈ کا حکم، قسطوں EMI میں خرید وفروخت کے مسائل شیئر و کموڈیٹی مارکیٹ اور فوریکس کیا صحیح کیا غلط ودیگر موضوعات شرکائے اجلاس کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔

میں اس مناسبت پر رب کریم کا احسان عظیم بجالانے کے بعد فاضل ترین شخصیت فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ، داعی و باحث اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئ وڈائرکٹر آئی پلس ٹی وی اور ان کے جملہ انتظامی وعلمی رفقائے کار کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ کے فضل کے بعد جن کی شبانہ روز مخلصانہ کاوشوں سے یہ یادگار کانفرس اور سابقہ متعدد کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

۲۶ / جنوری ۲۰۱۸ء کو میں نے بحمد اللہ کرپٹوکرنسی کی سب سے معروف قسم ''بٹ کوائن'' پر ایک مضمون لکھا تھا، لیکن اس کے بعد ان دنوں عمومی طور پر کرپٹوکرنسی کی بابت طلبہ وعلماء اور عوام وخواص کے سوالات زیادہ ہونے لگے، علاوہ ازیں منتظمین کانفرس نے حسن اتفاق بلکہ حسن مقدر مجھے ''کرپٹوکرنسی'' کا موضوع دیا اور بفضلہٖ یہ موضوع ترتیب پایا، ساتھ ہی ساتھ میں ہردل عزیز ماہر اسلامی شریعت فضیلۃ الدکتور طارق صفی الرحمٰن مبارک پوری مدنی حفظ اللہ اور اپنے

محسن ومشفق ماہر اسلامی تجارت فضیلۃ الشیخ الدکتور رحافظ ارشد بشیر عمری مدنی حفظ اللہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ ان فضلائے مشائخ نے ہجوم مشاغل کے باوجود اس مضمون کی نظر ثانی فرمائی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس جیسی ساری نگارشات کو شرف قبول سے نوازے، تمام محسنین ومعاونین کو دونوں جہانوں میں جزائے خیر عطا فرمائے اور ساری علمی خدمات کو بےلوث ذخیرۂ آخرت اور نجات کا ذریعہ بنائے۔

خیر اندیش: دکتور سید حسین مدنی وفقہ اللہ وسلمہ

سکریٹری ادارۂ علمی تحقیقات کل ہند ۱۴ر ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ ہجری م ۱۸ر اکتوبر ۲۰۲۴ء

تمہید:

''کرپٹوکرنسی کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت'' عصر حاضر کا ایک انتہائی پیچیدہ، حساس، گرم اور اہم موضوع ہے جس کی تکنیکی حقیقت وشرعی حیثیت کے افہام وتفہیم کے لیے ۲۰۰۹ء سے مسلسل متعدد کتابیں رسالے ومقالے لکھے گئے اور دنیا بھر میں مختلف اجلاس بھی منعقد کئے گئے۔

زیر بحث موضوع کے دو عناصر ہیں:

ایک کرپٹوکرنسی کی تکنیکی حقیقت۔

دوسرا کرپٹوکرنسی کی شرعی حیثیت۔

عنوان کی ترتیب دراصل امام ابن رشد اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما کے بیان کردہ اصول فقہ کے متفقہ قاعدے: اَلْحُكْمُ عَلَى الشَّيْءِ فَرْعٌ عَنْ تَصَوُّرِهِ کے تحت ہے یعنی کسی بھی شے پر حکم لگانے سے قبل مجتہد ومفتی کے پاس اس کا مکمل اور صحیح تصور ہونا چاہیے۔

حق اور حقیقت ہے کہ کرپٹوکرنسی کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت کو کما حقہ طور پر بیان کرنے کے لیے ماہرین معیشت وماہرین ٹکنالوجی کی خدمات اور باقاعدہ فتویٰ کمیٹی کا اجتماعی فتوی درکار ہے، لیکن مختصر دونوں امور پیش خدمت ہیں:

کرنسیوں کی تاریخ:

ابتدائے انسانیت کے وقت ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی ضرورت کی چیز کسی دوسری چیز کے بدلے میں لیا کرتا تھا جس کو نظام المقایضہ (Barter System) کہا جاتا ہے پھر جب اس طریقے سے کسی کی ضرورت اور کسی اور کی عدم ضرورت کے اعتبار سے دشواری ہونے لگی تو کثیر الاستعمال اشیاء جیسے چاول نمک لوہا وغیرہ بطور ثمن استعمال

ہونے لگے اور اس طریقے کو" نظام النقود السلعیہ"(Commodity Money System) کہا جانے لگا پھر جب اس طریقے سے بھی حمل ونقل کے اعتبار سے دشواری ہونے لگی تو نظر انتخاب سونے اور چاندی پر جم گئی اور انہیں بطور ثمن تسلیم کر لیا گیا اور اس نظام کو "نظام النقود المعد نیہ"(Metallic Money System) کہا جانے لگا، پھر جب مالی تحفظ کے اعتبار سے اس طریقے سے بھی دشواری ہونے لگی تو لوگ سونا اور چاندی سناروں کے پاس بطور امانت محفوظ کرنے لگے اور ان سے اس کی رسید لینے لگے اور رفتہ رفتہ یہی رسیدیں کاغذی نوٹ کا کام کرنے لگیں اور ان رسیدوں کا چلن اس قدر زیادہ ہوا کہ تقریباً سترہویں صدی کے آغاز میں سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے سب سے پہلے ان رسیدوں کو کاغذی نوٹ اور مال کا درجہ دیا لیکن دنیا دن بدن ترقی کرتی گئی اور دوسرے ملک میں اپنے ملک کی نوٹ قابل استعمال نہیں رہی تو بینکوں نے کریڈٹ کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ متعارف کرائے اور اس کے بعد فی الحال کرپٹو کرنسی کا موضوع زیر بحث ہے۔

کرپٹو کرنسی کی ماہیت وتکنیکی حقیقت:

محتاط اندازے کے مطابق چوں کہ کرپٹو کرنسی کی موجودہ شکلیں Bitcoin، Litecoin اور Ripple جیسی تقریباً چھ ہزار سے زائد متنوع شکلیں ہیں چنانچہ مسلمہ قاعدے کے طور پر کوئی ایک بات بتانا بڑا مشکل کام ہے لیکن ان کے درمیان قدر اشتراک والی حقیقت یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی Mining Process کے ذریعے وجود میں آنے والا برقی، غیر محسوس اور غیر ٹھوس اثاثہ Intangible Asset، خفیہ الکٹرانک کرنسی Electronic Currency، ای کامرس کرنسی E-Commerce currency، ڈیجیٹل ٹوکن Digital Token، یا ڈیجیٹل منی Digital Money اور محض پروگرامنگ نظام Programming کا نام، اور Peer (ہم کار) To Peer نظام ہے، جو فرضی رقم Virtual money اور کسی مرکزی قانونی نظام کی پابندی کے بغیر ایک ایسی آزاد Decentralized کرنسی ہے جس کا دار ومدار Blockchain Technology کہلانے والی Public Ledger عوامی ڈیجیٹل دفتر پر منحصر ہے۔

واضح رہے کہ The Hindu اخبار کے مطابق فی الحال 47 Million سے زیادہ کرپٹو کرنسی کے صارفین دنیا بھر میں موجود ہیں۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ Central Bank کی Digital Currency حقیقت میں:
Form of Cash نقد ہی کی شکل ہوتی ہے جب کہ کرپٹو کرنسی محض ایک فرضی کرنسی ہوتی ہے۔

کرپٹو کرنسی کی ابتدا ۲۰۰۸ء میں Satoshi Nakamoto کہلانے والے غیر معروف جاپانی سائنس دان کے ذریعے Online Payments کے راز دارانہ انداز سے Digital Alternative متبادل کے طور پر کرپٹو کرنسی کی حیثیت سے ہوئی جسے عام کرنسی اور فرضی کرنسی دونوں اعتبار سے استعمال کرنے کی کوشش کی گئی اس کی ایجاد کی وجوہات میں Quick Payments فوراً ادائیگی کی سہولت، ساتھ ہی ساتھ Transaction Fee اور Bank Charges سے اور مال کی چوری سے بچنا اور اپنی Anonymity شناخت کو صیغہ راز میں رکھنا بھی شامل ہے، لیکن اس کے اشتراک واستعمال کے لیے Cryptocurrency Wallet کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے لیے Traditional Brokers یا Cryptocurrency Exchanges کے ذریعے ایک Platform اختیار کرنا لازم ہے پھر اپنے Account میں Funds محفوظ کرنے کے بعد کرپٹو کرنسی خریدنی پڑتی ہے اور اس کے بعد اس کرنسی کے ذریعے ایک پیالی Coffee کی خریداری سے Real Estate تک میں سرمایہ کاری ممکن ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے کسی دستاویز کی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کرپٹو کرنسی مستقبل کی کرنسی ہے اور مستقبل مکمل ڈیجیٹل کرنسی کا ہوگا اسی لیے ان جیسے موضوعات پر ہر لحاظ سے تحقیقات جاری ہیں۔

کرپٹو کرنسی کی شرعی حیثیت:

چوں کہ زیر بحث مسئلہ قابل اجتہاد جدید فقہی مسائل میں سے ہے اس لیے اہل علم کے مابین اس کی فقہی تاصیل اصولی تکلیف اور تکنیکی تنظیر میں چار طرح سے اختلاف پایا جاتا ہے:

پہلا موقف: مجمع الفقہ الاسلامی الدولی اسلامی فقہ کی بین الاقوامی اکیڈمی نے مورخہ ۲۰ رنومبر ۲۰۱۹ء میں اس مسئلے کو مزید تحقیق طلب جانا اور بعض علماء جیسے ڈاکٹر شیخ عبدالعزیز الفوزان اور شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر البراک حفظہما اللہ وغیرہ نے کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملہ داری کے سلسلے میں توقف اختیار کیا، کیوں کہ اس کرنسی کا اصل ماخذ صحیح طور پر انہیں معلوم نہیں ہو سکا اور اس کے تئیں بہت سارے سوالات، خطرات، خدشات اور پیچیدگیاں تادم تحریر ان کے یہاں قابل تصفیہ ہیں لیکن اس کے ذریعے معاملہ داری پر سال گزرنے کے بعد اس میں زکاۃ کی فرضیت بتائی، کیوں کہ وہ مال کے دائرے میں شمار کی جانے لگی ہے۔

دوسرا موقف: کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملہ داری درست ہے، کیوں کہ:

(۱) عموم آیت أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا سے استدلال کیا گیا کہ معاملات میں اصل صحت واباحت ہے۔

(۲) مال کے اعتبار سے کرپٹو کرنسی ایک قیمتی مال ہے۔

(۳) کرپٹو کرنسی کی پروگرامنگ کوئی خام خیال نہیں بلکہ باقاعدہ ایک حقیقت اور حقیقی مال یا اثاثہ ہے جس کا استعمال اور تبادلہ لوگوں نے شروع کیا اور جس کے ذریعے فی الحال آسٹریلیا کی سب سے بڑی Stock Exchange میں اور امریکا میں کرپٹو کرنسی کی شکل میں سرمایہ کاری ممکن ہے۔

(۴) امام مالک یہ نے فرمایا: لَوْ أَنَّ النَّاسَ أَجَازُوا بَيْنَهُمُ الْجُلُودَ حَتَّى تَكُونَ لَهَا سِكَّةً وَعَيْنَ لَكَرِهْتُهَا أَنْ تُبَاعَ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ نَظِرَةً.[المدونة للإمام مالك كتاب الصرف التأخير في صرف الفلوس: ج:۳،ص:۵]

ترجمہ: لوگ اگر چمڑوں کو بطور سکہ اور متعین نقد و کرنسی کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو میں اُن قوت خرید وفروخت کے حامل چمڑوں کو سونے اور چاندی کے ساتھ تاخیر سے بیچنے کو مکروہ سمجھوں گا (تاکہ تاخیر کے سبب سودی معاملہ ربا النسیئہ نہ ہو جائے) لیکن واضح رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرضی اور وہمی کرنسی کی نہیں بلکہ محسوس اور ٹھوس نقد کی مثال دی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

أَمَّا الدِّرْهَمُ وَالدِّينَارُ فَمَا يُعْرَفُ لَهُ حَدَّ طَبْعِيْ وَلَا شَرْعِيَّ بَلْ مَرْجِعُهُ إِلَى الْعَادَةِ وَالاصْطِلَاحِ وَذَلِكَ لِأَنَّهُ فِي الْأَصْلِ لَا يَتَعَلَقُ الْمَقْصُودُ بِهِ بَلِ الْغَرَضُ أَنْ يَكُونَ مِعْيَارًا لِمَا يَتَعَامَلُونَ بِهِ وَالدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ لَا تَقْصَدُ لِنَفْسِهَا بَلْ هِيَ وَسِيلَةً إِلَى التَّعَامُلِ بِهَا وَلِهَذَا كَانَتْ أَثْمَانًا بِخِلَافِ سَائِرِ الْأَمْوَالِ فَإِنَّ الْمَقْصُودَ الِانْتِفَاعُ بِهَا نَفْسِهَا فَلِهَذَا كَانَتْ مُقَدَّرَةً بِالْأُمُورِ الطَّبْعِيَةِ أَوْ الشَّرْعِيَّةِ وَالْوَسِيلَةُ الْمَحْضَةُ الَّتِي لَا يَتَعَلَّقُ بِهَا غَرَضْ لَا بِمَا دَتِهَا وَلَا بِصُورَتِهَا يَحْصُلُ بِهَا الْمَقْصُودُ كَيْفَمَا كَانَت.[مجموع الفتاوىٰ: ج:۱۹-۲۵۱_۲۵۲]

ترجمہ: درہم و دیناری کوئی فطری یا شرعی تعریف وضابطہ نہیں بلکہ اس ضمن میں رائج عادات واصطلاحات کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس کی بنیادی وجہ دراصل یہ ہے کہ معاملہ داری سے مقصود نقد کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ نقد لوگوں کے معاملات کا معیار و پیمانہ بن جائے جبکہ دینار و درہم بنفس نفیس اور بذات خود مقصود نہیں بلکہ وہ بعض ان کے ذریعے معاملہ داری کا وسیلہ ہیں اسی لیے وہ دینار و درہم ثمن (قیمت) قرار پائے، اس کے برعکس دینار و درہم کے علاوہ بقیہ سارے مال سے بنفس نفیس اور بذات خود استفادہ مقصود رہتا ہے اسی لیے فطری وشرعی امور کے ذریعے ان کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور جو محض معاملہ داری کا ایسا وسیلہ ہو کہ جس سے مضمون یا ظاہر سے کوئی مقصد وابستہ نہ ہو تو وہ

جس شکل میں بھی رہے اس وسیلے کے ذریعے معاملہ داری کا مقصود پورا ہوگا۔

امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے بھی بڑی وسعت پیدا کی اور کہا:

الثَّمَنُ غَيْرُ مَقْصُودٍ بَلْ وَسِيلَةَ إِلَى الْمَقْصُودِ إِذًا لِانْتِفَاعُ بِالْأَعْيَانِ لَا بِالْأَثْمَانِ.[حاشية ابن عابدين على الدر المختار كتاب البيوع: ج:۴، ص:۵۰۱]

ترجمہ: معاملہ داری میں قیمت رکرنسی حقیقی طور پر مقصود نہیں رہتی بلکہ وہ وسیلۂ مقصود رہتی ہے کیوں کہ فائدہ اٹھانا سامان سے ہوتا ہے نہ کہ قیمتوں سے۔

اور اس سے ملتی جلتی بات امام سرخسی رحمہ اللہ نے بھی المبسوط: ج:۳، ص:۲۰ میں فرمائی۔

امام زرکشی رحمہ اللہ نے فرمایا: المَالُ مَا كَانَ مُنْتَفَعًا بِهِ. [المنثور في القواعد الفقهية للزركشي المال حقيقته: ج:۳، ص:۲۲۲]

ترجمہ: جو بھی نفع بخش ہو وہ مال ہے۔

اور اس عموم کے لحاظ سے کرپٹو کرنسی کی معاملہ داری درست ہے۔

(۵) جرمنی جاپان اور ہالینڈ جیسی بعض حکومتوں نے اسے باقاعدہ کرنسی کے طور پر تسلیم کرلیا ہے، جب کہ کچھ ملکوں نے اسے بطور کرنسی قرار نہیں دیا، لیکن اسے ڈیجیٹل تجارتی اثاثہ واشیاء Digital Commodity کے طور پر تسلیم کیا اور ٹیکس بھی عائد کیا اور اس کے ذریعے مختلف شعبوں میں معاملات وتبادلہ اشیاء جاری بھی ہے، اور اس میں پائی جانے والی قوت خرید وفروخت کی وجہ سے ربا الفضل وربا النسیئہ اس میں ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کی ہم جنس کے ذریعے خرید وفروخت کی صورت میں تماثل وتقابض ضروری ہے، علاوہ ازیں اس میں زکاۃ بھی فرض ہوگی۔

(۶) آکسیجن، بجلی اور گیس ٹھوس نہ رہنے کے باوجود جیسے اس کا وجود یقینی ہے اور کرپٹو کرنسی کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح ہے۔

(۷) گزشتہ پانچ سالوں میں کرپٹو کرنسی میں بہتری کی شرح نمایاں ہے۔

(۸) جنوبی افریقہ کے قومی ادارے نے کرپٹو کرنسی کو بطور مال تسلیم کیا۔ اور ماہر اسلامی تجارت ڈاکٹر سعد بن ترکی الخثلان حفظہ اللہ نے ایک سال قبل شبکۃ المجد کے پروگرام الجواب الکافی میں فرمایا کہ کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملات جواز سے قریب ترین ہیں کیوں کہ وہ اب مقبول ومتداول، ذریعۂ مبادلہ اور فروخت کی جانے والی شے کے لیے قیمت کی تعیین کا ایک معتبر پیمانہ اور حامل قیمت بن چکی ہے اور یہی خصوصیات کرنسی قرار دینے کے لیے اہم ہیں، بالخصوص کچھ حکومتوں نے اسے بطور کرنسی تسلیم کرلیا اور لوگوں میں یہ رائج بھی ہوچکی، اب رہا سنگین خطرات وخدشات کا معاملہ تو

وہStock Market میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اس سے کسی نے منع نہیں کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ کرپٹوکرنسی کے ذریعے معاملہ داری کے قائل ڈاکٹر عبداللہ العقیل حفظہ اللہ وغیرہ ہیں۔

(۹) کرپٹوکرنسی کی تعدینMining کو جعالہ پر قیاس کیا گیا اور اس کی اجازت دی گئی۔

تیسرا موقف: جمہور کی رائے یہ ہے کہ کرپٹوکرنسی کے ذریعے۔ اس کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر۔ معاملہ داری سے بچنا چاہیے، کیوں کہ:

(۱) **مجمع الفقہ الاسلامی الدولی** نے مورخہ ۲۰ /نومبر ۲۰۱۹ء میں قرارداد منظور کی کہ کرپٹوکرنسی محل نظر ہے کہ وہ منفعت ہے یا شے/سلعہ/مبیع ہے، یا کرنسی/مال ہے، یا ڈیجیٹل سرمایہ ہے؟ اور شرعی اعتبار سے کیا اس کی قدر و قیمت اور ثمنیت ہے؟

(۲) کرپٹوکرنسی کا محسوس ٹھوس وجود نہیں، بلکہ محض Programming Network ہے، جو مال یا رائج کرنسی کی طرح سونے اور چاندی کے حکم میں نہیں۔

(۳) کرپٹوکرنسی اکثر حکومتوں کی جانب سے مسلمہ و تصدیق شدہ کرنسی نہیں اور نہ ہی حکومت کی جانب سے منظور شدہ مرکزی بنک سے جاری کردہ ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: لَا يَصْلُحُ ضَرَبُ الدَّرَاهِم إِلَّا فِي دَارِ الضَّرْبِ بِإِذْنِ السُّلْطَانِ لِأَنَّ النَّاسَ إِنْ رُخِصَ لَهُمْ رَكِبُوا الْعَظَائِمَ.[الأحكام السلطانية لأبي يعلى الفراء فصل في وضع الخراج والجزية: ص: ۱۸۱]

ترجمہ: کرنسی کی صنعت صرف حاکم کی اجازت سے حکومتی ادارے ہی میں ہونی چاہیے کیوں کہ لوگوں کو اگر اس کی اجازت مل جائے تو وہ بڑی غلطیاں اور من مانیاں کرنے لگیں گے۔

اہل علم نے مزید کہا کہ: يُكْرَهُ لِلرَّعِيَةِ ضُرْبُ الدَرَاهِم وَإِنْ كَانَتْ خَالِصَةً فَإِنَّهُ مِنْ شَأْنِ الْإِمَامِ.
[العزيز شرح الوجيز للعرافي:ص:۹۱]

ترجمہ: درہم خالص ہی کیوں نہ ہو تب بھی حکم کے اعتبار سے مکروہ ہے کہ رعایا اس کی صنعت کریں کیوں کہ کرنسی کی صنعت حاکم وقت کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔

(۴) لاشے اور عدم سے کرپٹوکرنسی کی ایجاد کا طریقہ کار سود کا سبب بنتا ہے کیوں کہ اس شکل میں تقابض فوراً ممکن نہیں جب کہ سود سے بچنے کے لیے کرنسی میں مماثلت اور تقابض فوراً لازمی ہے علاوہ ازیں اس کے کچھ معاملات میں تو

سودUsury/interest کا کھلا تصور پایا جاتا ہے۔

(۵) کرپٹوکرنسی ایسی فرضی اور وہمی کرنسی ہے جس کی ایجاد کا اختیار مخصوص افراد تک محدود ہے، نتیجتاً جہاں کچھ افراد بے انتہا مالدار بن سکتے ہیں وہاں کچھ لوگ بالکل مفلس وقلاش ہو سکتے ہیں اور شریعت نے جن حکمتوں کے پیش نظر سود سے منع کیا ان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مال کچھ دولت مندوں کے ہاتھوں ہی میں گردش کرتا نہ رہ جائے " كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَينَ الأَغْنِيَاءِ مِنكُم. [الحشر:۷]

اور بسا اوقات کچھ لوگ وقت ضرورت خود اپنا مال واپس لینے سے قاصر وعاجز رہتے ہیں۔

(۶) حکومتوں کے بغیر افراد کے ذریعے اس کی صنعت احتکار Monopoly اور کاروباری اجارہ داری کا سبب بنتی ہے جس کے مرتکب کو نبی ﷺ نے خطاکار بتایا ہے۔[صحيح مسلم كتاب المساقاة باب تحريم الاحتكار في الأقوات ح: ۱۶۰۵ بروایت معمر بن عبد الله رضی الله عنه]

(۷) کرپٹوکرنسی کی موجد ونگران کار حکومتیں نہیں بلکہ کچھ ایسے افراد ہیں جو کسی بھی مرکزی قانونی نظام کے پابند نہیں جس کی وجہ سے اسے ایسا کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں جس کی مدد سے بوقت ضرورت مالی جرائم کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کی جاسکے، واضح رہے کہ دوسری کرنسیاں کسی نہ کسی طرح Underlying Assests سے منسلک ہوتی ہیں جب کہ کرپٹوکرنسی کا سارا دارومدار Demand Based پر ہوتا ہے۔

(۸) کرپٹوکرنسی کو ثمن / قیمت یا سلعہ / سامان کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے ان کا علم ہونا ضروری ہے ورنہ بیع فاسد ہو جاتی ہے، جب کہ اس کرنسی کی ایسی ہزاروں اکائیاں بن جاتی ہیں جن کا علم تو کجا ان کا تلفظ بھی عقد کے وقت ممکن نہیں ہوتا۔

(۹) کرپٹوکرنسی کی Value صرف Market کے Fluctuation اتار چڑھاؤ پر مبنی ہے۔

(۱۰) کرپٹوکرنسی کی قیمت میں غرر Uncertainty یعنی دھوکہ اور جہل یعنی صحیح ودقیق معلومات کی کمی پائی جاتی ہے۔

(۱۱) کرپٹوکرنسی کی مالیت کبھی ساری دنیا کی تمام کرنسیوں کی مالیت سے کئی گنا زیادہ بتائی جاتی ہے، جس کی پابجائی کی ذمہ دار کوئی حکومت نہیں، لہٰذا ایسی صورت حال میں بعض ممالک کا اسے قانونا کرنسی تسلیم کر لینا بھی کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔

(۱۲) کرپٹوکرنسی میں High Risk Investment خطرے کا تناسب اس قدر انتہائی زائد رہتا ہے کہ مختصر

سی مدت میں Value کا اتار چڑھاؤ Speculation بے تحاشہ انداز میں پیش آتا ہے، جو جوے Gambling سے مشابہ لگتا ہے۔[المائدہ:۹۰] اوراس کی Value ڈرامائی طور پر تبدیل ہوسکتی ہے۔

امام ابن ابی العز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: يَجِبْ أَنْ تَكُونَ مَحْدُودَةً لَا تَرْتَفِعُ قِيمَتهَا وَلَا تَنْقُصُ وَقَدْ حُرِمَ فِيهِمَا رِبَاالنَسِيئَةِ لِمَا فِيهِ مِنَ الضَّرَرِ بِالمَحَاوِيجِ.[التنبيه على مشكلات الهداية كتاب البيوع علة ما سوى الأصناف الربوية الستة: ص :۴۱۳]

ترجمہ: دینار و درہم جیسی ثمنیت کی حامل کرنسیوں کے لیے اس قدر استقرار کے ساتھ رہنا ضروری ہے کہ ان کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ بھی نہ ہو اور غیر معقول گراوٹ بھی نہ آئے اسی لیے ان میں تاخیر کی وجہ سے سودی سبب ربا النسیہ حرام کیا گیا کیوں کہ اس میں ضرورت مندوں کے لیے نقصان ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: يَجِبُ أَنْ يَكُونَ مَحْدُودًامَضْبُوطًا لَا يَرْتَفِعُ وَلَا يَنْخَفِضُ... [إعلام الموقعين عن رب العالمين فصل حكمة تحريم ربا النساءفي المطعوم: ج:۲، ص:۱۰۵]

ترجمہ: کرنسیوں کی قیمت انتہائی دقیق انداز سے متعین رہنی چاہیے تا کہ اس میں بے تحاشہ اچھال بھی نہ آئے اور غیر معمولی گراوٹ بھی نہ آئے۔

شاید اسی لیے کچھ اہل علم نے کرپٹو کرنسی معاملات کو فاریکس ٹریڈنگ کی طرح سود اور جوے کی ایک شکل بتایا ہے۔

(۱۳) کرپٹو کرنسی Hackable ہے جس پر سائبر حملے ہوسکتے ہیں، کبھی بھی وائرس سے متاثر ہوسکتا ہے، اور تکنیکی غلطیوں سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

(۱۴) کرپٹو کرنسی کی خانگی و غیر حکومتی کمپنیاں غیر ذمہ دارانہ انداز سے کبھی بھی بند ہوسکتی ہیں، اور ایسا معاملہ مقصد شریعت تحفظ مال Respect to wealth کے عین منافی ہے۔

(۱۵) کرپٹو کرنسی کے ذریعے منی لانڈرنگ Money Laundering جیسی غیر قانونی سرگرمیاں اور دہشت گردی جیسے جرائم انجام پاسکتے ہیں۔

(۱۶) کرپٹو کرنسی کی Electronic Wallets کبھی بھی قرق ہوسکتی ہیں، اوران کے مواد و مضمون کی چوری بھی ممکن ہے۔

(۱۷) کرپٹو کرنسی کا نظام معتبر بینکوں کے جاری نظام کو درہم برہم کرسکتا ہے۔

(۱۸) اگر Backup Strategy نہ ہو، اور Computer یا Mobile Device گُم یا چوری

ہوجائے تو سارا سرمایہ ناقابل تلافی شکل میں ضائع ہوجائے گا۔

(۱۹) کرپٹوکرنسی Payments عام طور پر Reversible یعنی واپس نہیں کی جاسکتی ہیں۔

(۲۰) کرپٹوکرنسی کے ذریعے Transactions کی صورت میں نجی معلومات کا ظاہر بھی ممکن ہے۔

(۲۱) کرپٹوکرنسی کے ذریعے فراڈ، ہوکے اور گھوٹالے کا تناسب زیادہ دیکھا گیا۔

(۲۲) کرپٹوکرنسی کے ذریعے Online Dating جیسی مخرب اخلاق حرکات عام طور پر زیادہ ہوتی نظر آئیں۔

(۲۳) دبئی کی الهيئة العامة للشؤون الإسلامية والأوقاف مورخہ ۳۰/۱/۲۰۱۸ء، مورخہ ۱۵ ستمبر ۲۰۱۹ء میں جامعہ قطر میں منعقدہ کانفرنس، قومی علماء کونسل انڈونیشیا، دار الافتاء العراقیہ، دار الافتاء اللیبیہ، فلسطین کی مجلس الافتاء الاعلی، دار الافتاء المصریہ کے امین الفتوی شیخ محمد عبد السمیع، مصر کے مفتی اعظم شوقی علام، اور استاذ محترم شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ اور فقہ حنفی کے علماء میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب و دیگر نے اس پر حرمت کا فتویٰ جاری کیا۔

چوتھا موقف: کرپٹوکرنسی ابھی بیع الثمار قبل بدو صلاحها کی طرح ارتقائی مراحل سے ایک Vehicle سواری کی طرح گزر رہی ہے جو کرنسی کو نقل کرنے کا وسیلہ ہے، جس کے ذریعے معاملہ داری کی صورت جس روز شرعی احکام کے عین مطابق ہوجائے گی تو اس وقت اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

تنبیہ: کچھ اہل علم نے کرپٹوکرنسی کو سلعہ / مبیع / قابل فروخت شے قرار دیا اور اس کے لیے جواز کا پہلو فراہم کیا، جب کہ اس کے موجد اور منتظمین و صارفین سب نے اسے کرنسی کا نام دیا، اور اس کی معاملہ داری یا اس کے ذریعے معاملہ داری کرنسی کی نیت سے کی جاتی ہے، واللہ اعلم۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کرپٹوکرنسی:

ذریعۂ مبادلہ کی جدید شکل ہے، جس کی مالیت فرضی ہے، کچھ اہل علم نے اس کے تئیں توقف اختیار کیا اور مزید تحقیق طلب مسئلہ بتایا، تو کچھ اہل علم نے اس کو شرعاً معتبر مال اور کچھ نے سلعہ و مبیع جانا اور معاملہ داری کی اجازت دی، جب کہ جمہور علماء نے کرپٹوکرنسی کی ماہیت اور اس کے خارجی عوامل کے پیش نظر اس کی معاملہ داری حرام قرار دی اور بعض اہل علم نے مشروط و محتاط انداز سے تفصیلی بات کہی کہ جب شرعی ممانعتیں ختم ہوں گی تو اس وقت اس کی اجازت ہوگی لیکن سرسری و ظاہری مصلحت، اور فوائد و سہولیات پر نقصانات کے غالب پہلوؤں اور اکثر اہل علم کے موقف کے پیش نظر کرپٹوکرنسی کی خرید و فروخت یا اس کے ذریعے کسی بھی معاملہ داری سے بچنا بہتر ہے۔

واللہ اعلم، وصلی اللہ علی النبی وسلم۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم

شیخ نثار احمد محمد مستقیم مدنی

آج کے ترقی یافتہ دور میں ہر میدان میں حیرت انگیز ترقیاں اور نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، چنانچہ بین الاقوامی سطح پر جاری تجارت ومعیشت کے میدان میں جہاں ایک طرف بے شمار محیر العقول تجارتیں وجود میں آگئی ہیں تو دوسری طرف گلوبلائزیشن اور اوپن مارکیٹ کے نتیجے میں اونچی آمدنی ہر آدمی کی ضرورت بن چکی ہے علاوہ ازیں آسان، پرکشش اور بھاری بھرکم منافع کی چاہت نیز سرکاری وپرائیوٹ سیکٹر میں عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے ملازمت کے مواقع کی حد درجہ کمیابی کی وجہ سے ملٹی لیول مارکیٹنگ بڑی تیزی سے ساری دنیا میں مقبول ہو رہی ہے اور نیٹ ورک مارکیٹنگ لاکھوں نوجوانوں کی امیدوں کا مرکز بن چکی ہے جو ہمہ وقت شرق وغرب میں ہر ایک کے لیے بآسانی دستیاب ہے، ایسے میں ایک عام مسلم تاجر اس کے جواز اور عدمِ جواز کو لے کر ورطۂ حیرت میں پڑا ہوا ہے اور المیہ یہ ہے کہ اس قسم کے پیش آمدہ دقیق نوازل ومستجدات تک ہر مفتی کی رسائی بھی نہیں ہوتی ہے، کیونکہ حلت وحرمت کی تعیین کا دارومدار مسئلہ کے مالہ وماعلیہ کا صحیح تصور وادراک کے بعد مصادرِ شریعت پر گہری نظر، مقاصدِ شریعت، اصولِ فقہ، قواعدِ فقہیہ اور نظائرِ فقہیہ کو دیکھ کر علتِ مشترکہ کی بنیاد پر حکم لگانے کی قدرت ضروری ہوتی ہے ہے جو کہ ماہرینِ فقہ وفتاویٰ کے لیے ایک طرح سے نازک ترین مرحلہ ہوا کرتا ہے۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کا تعارف:

"نیٹ ورک مارکیٹنگ" جسے اردو میں "بچھے ہوئے جال نما تجارت" سے تعبیر کرسکتے ہیں، یہ عام تجارتی طریقوں سے یکسر مختلف ہے کیونکہ عام تجارتی منڈیوں میں تاجر خواہ کمپنی کا مالک ہو، ڈیلر ہو، تھوک بیوپاری ہو یا عام تاجر اسے براہ راست فروخت شدہ مال پر منافع حاصل ہوتا ہے لیکن اس میں کمپنیاں عام مارکیٹ ریٹ سے کافی مہنگی اپنی مصنوعات کا سودا صرف اپنے ممبران ہی کے ذریعہ مارکیٹ میں اتارتی ہیں جنہیں کھلی مارکیٹ کسی شوروم اور دکان میں دستیاب نہیں کرسکتے اور یہ مصنوعات از قبیل حیلہ ہوتی ہیں، اصل مقصد نچلے سطح کی ممبر سازی کے تئیں محنت سے مخصوص طبقہ کو کمیشن کے نام پر فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس میں ایک آدمی کمپنی کا ممبر بنتا ہے جو up liner کہلاتا ہے اور اس کے نیچے مرحلہ در مرحلہ جڑنے والے ممبران ڈاؤن لائنر کہلاتے ہیں، کمپنی زیادہ سے زیادہ کمیشن کا جھانسا دلا کر بھاری

تعداد میں ناعاقبت اندیش ڈاؤن لائنز کے ذریعہ سرمایہ جمع کرنے کی کوشش ہوتی ہے کیونکہ انہی کے ذریعہ اوپر کے لوگوں کو کمیشن حاصل ہوں گے چنانچہ ہر ممبر اسی فراق میں رہتے ہوئے اپنے متعلقین کو اپنے تحت ممبر بناتا ہے اور اس طرح سلسلہ وار ملی ہوئی تجارت کی یہ صورت "جال" کے مشابہ ہوجاتی ہے، اسے ملٹی لیول مارکیٹنگ (Multi Level Marketing) بھی کہتے ہیں، اس کو اردو میں "مختلف السطح تجارت" کہہ سکتے ہیں؛ اس لیے کہ اس میں ہر ممبر کی سطح اور اس کی حیثیت برابر نہیں ہوتی؛ بلکہ جو پہلے شامل ہوتے ہیں، ان کی اونچی، زیادہ نفع بخش اور بعد والے کی اس سے نیچی اور کم نفع والی سطح ہوتی ہے، اس میں پیرامیڈ اسکیم (Pyramid scheme) کے نظریہ کے مطابق کام ہوتا ہے، پیرامیڈ "مخروطی" اور "اہرامی" شکل کو کہتے ہیں، یعنی گاجر و مولی کو اُلٹ کر جو صورت بنتی ہے، وہی شکل اس کی ہوتی ہے، اگر کوئی آدمی براہ راست ممبر بننا چاہے تو بعض کمپنیوں میں اس کی اجازت نہیں ہوتی ہے جتنے مراحل اور اس میں ممبران ہوں گے اسی طرح نیچے کے ممبروں کی خریداری کا کمیشن اوپر والے کو ملتا رہے گا، کمپنی کی ماہانہ خریداری جس طرح بڑھتی ہے، اسی طرح ممبروں کو دیئے جانے والے کمیشن میں بھی ضابطہ کے مطابق فی صدی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض کمپنیوں میں اضافہ کی حد متعین ہوتی ہے، مثلاً ایموے (Amway) میں اکیس فی صد (21٪) تک ہی کمیشن پہنچتی ہے؛ البتہ غیر معمولی کارکردگی ظاہر ہونے اور خریداری کی ایک مخصوص اونچی سطح پر پہنچنے کی صورت میں کمپنی متعینہ کمیشن پر کچھ رقم اعزازی طور پر رائلٹی (Royalty) کے نام سے دیتی ہے۔

سسٹم کے تحت مطلق ممبر بنانا ہی کمیشن پانے کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ مخصوص تعداد کی شرط ہوتی ہے، مثلاً افراد کی مجموعی تعداد کم از کم نو اس طور پر ہونا کہ ہر مرحلہ میں کم از کم تین ممبر ہوں تب ہی کمپنی کمیشن جاری کرے گی، ایک بار کمیشن پالینے کے بعد پھر نو ممبران کی زیادتی شرط ہوتی ہے۔

بعض کمپنیاں بغیر ممبر بنے بھی اپنی مصنوعات کے خریدے جانے کی سہولت دیتی ہیں، مگر رعایت ممبر ہی کے ساتھ خاص ہوتی ہے، ان کے یہاں بھی اوپر والے ممبران کو نیچے اور کافی نیچے والے ممبران کا کمیشن دینا اصول میں داخل ہوتا ہے۔

ممبر بننے کے وقت کمپنی کچھ سامان (ان کے بقول) رعایتی قیمت پر دیتی ہے، اور کچھ متعین روپے ممبری فیس، اور لٹریچر وغیرہ کا معاوضہ بتا کر لے لیتی ہے، رعایت کے نام پر جن پیسوں کو واپس کرنا چاہیے، درحقیقت انہی کو فیس وغیرہ کے نام سے وصول کرلیتی ہے، گویا ضابطہ میں کمپنی کے پاس ممبر کا ایک روپیہ بھی نہیں رہتا جس کا وہ مطالبہ کرسکے۔

کمپنی میں ممبر شپ (Membership) کی برقراری کے لیے سالانہ کچھ متعین رقم تجدیدی فیس کے طور پر ادا کرنی پڑتی ہے، اور بعض میں ہر مہینہ کم از کم سو روپے کا مال خریدنا شرط ہے؛ مثلاً R.C.M کمپنی۔

مصنوعات محض بطورِ حیلہ:

حقیقت میں نیٹ ورکنگ سسٹم میں کمیشن کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، اور مصنوعات ثانوی درجہ رکھتی ہیں، نئے ممبر کو شمولیت پر راضی کرنے کے لیے خیالی کمیشن کا ذکر ہی کافی سمجھا جاتا ہے، اس کے بغیر مصنوعات کی مارکیٹنگ ناممکن ہے کیونکہ اپنی ممبر شپ باقی رکھنے کے لیے سالانہ متعین رقم جمع کرنی پڑتی ہے اور بعض میں ماہانہ متعین خریداری شرط ہے، یہ اس طرح کی کمپنیوں کے شرائط میں داخل ہے، کمپنیاں ممبر سازی کے لیے پورا تعاون فراہم کرتی ہیں، لیکن مصنوعات کی فروخت میں ان کا کوئی کردار نہیں ہوتا، بلکہ کھلی مارکیٹ میں لاکر فروخت کرنا ضابطہ کے خلاف بتاتی ہیں، کیونکہ کھلی مارکیٹ میں مصنوعات آئیں گی تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا، علاوہ ازیں ملٹی لیول کی بعض کمپنیاں خواہش مند حضرات کو مصنوعات خریدے بغیر بھی شرکت کی اجازت دیتی ہے، اگر مصنوعات کی فروخت ہی مقصود ہوتی تو ایسی اجازت ہرگز نہ دیتیں۔

نیٹ ورک کمپنیاں ایک جائزہ:

"ملٹی لیول کمپنیاں" ہندوستان میں تو بیسویں صدی کی آخری دہائی میں متعارف ہوئی ہیں سب سے پہلے ایموے انڈیا (Amway India) "ایموے انڈیا" کے علاوہ آر سی، ایم (R.C.M) وغیرہ لیکن فی زمانہ کئی ناموں سے کافی تعداد میں کمپنیاں میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہیں، اور جلد مالدار ہونے کا جھانسا دے کر ناعاقبت اندیش افراد سے سرمایہ جمع کر رہی ہیں، اسی وجہ سے گزشتہ سالوں میں ہندوستان کے شعبۂ اقتصادیات کی طرف سے ایسی کمپنیوں کے دھوکے اور ضرر سے بچے رہنے کی تلقین وتاکید کی گئی تھی۔

چونکہ اس کے بنیادی ساخت (System) میں دھوکہ اور تجارتی چال بازی (Business fraud) ہے، اس لیے دنیا کے بیشتر ممالک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اور حکومتوں نے ان کے ضرر سے بچنے کی تلقین کی ہے، ان کے نعرے ضرور دلکش ہیں لیکن حقیقت میں پرفریب ہیں، انجام کار ساری رقمیں ان کمپنیوں اور اداروں کے مالکان کی جھولی میں چلی جاتی ہیں، ممبران کو سوائے سراب اور دھوکہ کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

پڑوسی ملک میں بھی ملٹی لیول مارکیٹنگ کی دھوکہ بازی، غیر اخلاقی اور ناجائز لین دین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرکت سے گریز کرنے کی تلقین کی گئی ہے، تفصیل (SECP) کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ (بحوالہ سہ ماہی بحث ونظر

ص:۳۶۱)

امریکہ میں اسی طرز کی ایک کمپنی اسکائی بز.کوم (Skybiz.com) ہے،اس کمپنی کی شاخیں متعدد ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں،مگر خود امریکی حکومت نے مذکورہ کمپنی پر عوام کے ساتھ دھوکہ دہی اور چال بازی (Fraud) کا الزام عائد کیا ہے، اسی کے پیش نظر ”اوکلاہوما اسٹیٹ“ کی عدالت نے کمپنی کی سرگرمیاں روک دینے، اور کمپنی کے کارکنوں اور ایجنٹ حضرات کا سرمایہ اور اجرت انہیں واپس کیے جانے کے پیش نظر اس کمپنی کے اثاثے منجمد کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔(دیکھئے امریکی وزارتِ تجارت کی ویب سائٹ:

http://www.Ftc.gov/opa/2001/06sky.htm بحوالہ بحث ونظر شمارہ ۶۸، ۶۹ جنوری، جون ۲۰۰۵ء ص: ۱۶۳)

جاپان اور چین میں ۱۹۹۸ء میں ایموے (Amway) اور اس طرز کی کمپنیوں پر پابندی لگ چکی ہے۔ (اخبار منصف: مینارۂ نور ۲۴/۳/۱۴۲۸ھ)

بنیادی خرابیاں:

عالمی پیمانے پر اس کمپنی کو جس بنیاد پر مسترد کیا جا رہا ہے، وہ اس نظام میں دوام واستمرار کی صلاحیت کا نا پایا جانا ہے، اس کے ابتدائی مراحل میں تو ممکن ہے کہ آسانی سے کچھ ممبر بن جائیں، لیکن چند مرحلوں کے بعد ممبر بنانا دشوار ہو جائے گا، اور ایک ایسا مرحلہ آئے گا کہ اس کے بعد مزید ممبر بنانے کی گنجائش نہ رہے گی۔

اس طرح کی کمپنیوں میں کمیشن پانے کے لیے ممبروں کی تعداد اور مراحل کا آگے بڑھانا شرط ہوتا ہے، اس لیے جن کمپنیوں میں مثلاً تین مراحل میں نو ممبران کی شرط ہے، ان میں نیچے سے تین مرحلوں کے لوگ بلا کمیشن رہ جائیں گے، اور یہ خرابی ایسی ہے کہ جس وقت بھی کمپنی موقوف ہوگی، اس سے نیچے کے چند مراحل کے لوگ محروم رہ جائیں گے اور چونکہ نیچے کے مراحل میں ممبروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اس لیے ہر لمحہ اکثر ممبران گھاٹے میں رہتے ہیں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کا دارومدار ہی ”پھنسنے پھنسانے“ پر ہے، کیونکہ ایک آدمی ممبر بنتا ہے اور ممبری فیس کی ادئیگی کے ساتھ کچھ اور روپے سامان کی خریداری کے نام پر اس کے ہاتھ سے چلے جاتے ہیں، بس اُسے اپنے پیسے کی بازیابی اور مزید کی ہوس سوار ہو جاتی ہے، چونکہ کمپنی سے محض سامان حاصل کرنا مقصد نہیں ہوتا، بلکہ منافع اور کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لیے دوسروں کو مختلف انداز میں سچ اور جھوٹ بول کر پھانسنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، پھر اگلا آدمی بھی

اسی مرض کا شکار ہوجاتا ہے، کمپنی کی خرابیاں سامنے آنے کے باوجود منافع کے لالچ میں اپنی زبان مہر بند رکھتا ہے، تنقید کا ایک لفظ نہ تو بولتا ہے اور نہ ہی بولنے دیتا ہے، اگر مصنوعات کی خریداری ہی مقصود ہوتی تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔

بہت سے لوگ ممبر بن تو جاتے ہیں مگر چرب زبان نہیں ہوتے، یا جھوٹ سچ ملا کر بولنے کی عادت نہیں ہوتی، وہ ممبر بنانے سے یا تو بالکل عاجز رہتے ہیں یا ممبر کی مطلوبہ تعداد مہیا نہ کرنے کی صورت میں وہ کمیشن اور منافع سے محروم رہتے ہیں۔

چونکہ یہ نظام "سودی نظام" سے بھی بدتر ہے، اس لیے کہ سودی نظام میں مخصوص محتاجوں اور سودی قرض لینے اور سودی معاملہ کرنے والوں کی دولت ساہوکاروں اور سودخوروں کے پاس آتی ہے، نیٹ ورک سسٹم کی طرح اتنے مرتب اور وسیع پیمانے پر سودا کٹھا نہیں ہوتا۔ نیٹ ورکنگ کے اس نظام میں کافی بڑے پیمانے پر دولت سمٹتی ہوئی، چند اوپر کے ممبران کے پاس مربوط انداز اور مخروطی (Pyramid) شکل میں جمع ہوتی رہتی ہے، نیچے کے ممبران منافع سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ دولت کی ترکیز دونوں میں ہے مگر نیٹ ورک مارکیٹنگ میں سودی نظام کی بہ نسبت زیادہ ہے، اس لیے عالمی پیمانے پر نیٹ ورک مارکیٹنگ کو مسترد کیا جارہا ہے۔

ماہرینِ اقتصادیات ومعاشیات نے نیٹ ورکنگ سسٹم کو "کینسر کی سوجن" سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح کینسر آلود خلیہ بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ پورے جسم کو مسموم کرکے جان لیوا ثابت ہوجاتا ہے، اسی طرح نیٹ ورک مارکیٹنگ میں ممبر سازی کے ذریعہ پورا معاشرہ لپیٹ میں آکر اقتصادی بحران کا شکار ہوجاتا ہے۔

"سودی نظام" میں چونکہ بنیادی خرابی ترکیزِ دولت (Collection of wealth) ہے، اس میں مال دار زیادہ مال دار اور غریب زیادہ غریب ہوجاتا ہے، اس لیے اسلام نے اسے مسترد کردیا، تو ظاہر ہے کہ کوئی ایسا نظام یا ایسی معاشری صورت جس میں ترکیزِ دولت سودی نظام سے بھی زیادہ مہلک ہو، تو اس کی تائید اسلام کیسے کرسکتا ہے؟ اور جب خود سودی نظام نے "نیٹ ورکنگ" کو مسترد کردیا ہے، تو "اسلامی نظامِ دولت" اسے سینے سے لگالے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت:

اسلام نے ہر اس معاملہ کو مسترد کردیا ہے، جس میں دغا فریب اور دھوکہ دھڑی پائی جاتی ہو، جس میں ملکی بدانتظامی اور لوگوں کی ضرر رسانی کا عنصر پایا جائے، یا جس میں مفادِ عامہ کی چیزوں پر چند افراد کے قبضہ کی صورت پائی جائے، یا

جس میں خرید وفروخت کے ساتھ کوئی شرط لگادی جائے، یا وہ معاملہ ایسا ہو کہ جس میں بیع کے ساتھ کسی دوسرے معاملہ کا قصد کیا جاتا ہو اور بیع کا صرف بہانہ ہو، اسی طرح وہ معاملہ بھی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، جس میں نزاع اور لڑائی کا احتمال ہو، جس میں دو معاملہ کو ایک کر دیا گیا ہو ۔

علاوہ ازیں تمام تجارتی معاہدے فریقین کے مابین واضح ہوں، کسی ایک کو پردہ میں نہ رکھا جائے، نہ کسی قسم کی غیر یقینی کیفیت کا اندیشہ ہو اور نہ ہی کسی کے لئے ناانصافی اور جانبداری کا معاملہ ہو، اسی طرح تاجر اور صارفین کے مابین غیر ضروری واسطے نہ ہوں، ذیل میں مزید تفصیل سے عدم جواز کی وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

(۱) نفع حاصل کرنے کے لیے شریعت نے جو اصول بتائے ہیں، ان میں یا تو سرمایہ اور محنت دونوں ہوتی ہیں، جیسے بیع وشراء یا صرف محنت ہوتی ہے اور سرمایہ دوسرے کا ہوتا ہے، جیسے مضاربت وغیرہ، لیکن ایسی کوئی صورت شرعاً جائز نہیں ہے، جس میں نہ تو محنت ہو اور نہ ہی سرمایہ لگے۔

نیٹ ورٹ مارکیٹنگ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ممبر بنتا ہے تو کمپنی ممبری فیس لے لیتی ہے، اور اپنی مصنوعات دے کر ان کی قیمت الگ سے لیتی ہے، قانونی لحاظ سے کمپنی کے پاس ممبر کا کوئی رقمی مطالبہ نہیں رہ جاتا، گویا کمپنی میں رقم اور سرمایہ لگا ہوا نہیں ہے۔

پھر جب ممبر سازی ہوتی ہے، تو پہلے مرحلہ میں مان لیا جائے کہ اپنے تحت ممبر بنانے میں محنت ہوئی، صرف انہی ممبران کی تشکیل کا معاوضہ اگر ملے تو اسے کسی درجہ میں جائز کہا جاسکتا ہے، اس لیے کہ سرمایہ نہیں لیکن محنت تو پائی گئی، لیکن دوسرے تیسرے اور بعد کے مراحل میں ممبر سازی میں اس کی کوئی محنت نہیں ہوئی تو بعد کے ممبران کا تشکیلی معاوضہ کس طرح جائز ہوگا، جب کہ وہاں نہ تو محنت ہے اور نہ ہی سرمایہ!

اس تجارت سے منسلک حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”آئندہ مراحل میں بھی کارکنوں کے ساتھ تعاون کرنا پڑتا ہے، جیسے لوگوں کو سمجھانا، مال کی اہمیت بتانا، ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنا وغیرہ“ لیکن پہلا ممبر براہِ راست ممبر بنانے کے بعد اگر آئندہ مرحلوں میں کوئی تعاون نہ کرے تب بھی وہ کمپنی کے اصول کے مطابق کمیشن کا مستحق قرار پاتا ہے، حاصل یہ کہ آئندہ مراحل میں بلا سرمایہ اور بلا محنت کمیشن آنا اس طرزِ تجارت کی سب سے بڑی خرابی ہے۔

اور پہلے مرحلہ کی ممبر سازی کا معاوضہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ کمپنیوں میں ہر مرحلہ کی ممبر سازی کا معاوضہ الگ الگ نہیں دیا جاتا، بلکہ اپنے تحت چند مراحل میں مخصوص تعداد پورا ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، مثلاً بعض کمپنیوں

میں یہ شرط ہے کہ جب ممبران کی تعداد"نو" ہوجائے اور وہ بھی تین مراحل میں ہوں تب ان سب کی خریداری کا متعین کمیشن اوپر کے ممبر کو دی جائے گی، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اپنے ہی نہیں دوسروں کے بنائے ہوئے ممبران کا معاوضہ بھی ساتھ ہوکر ملے گا، اس لیے حلال وحرام میں اجتماع کی وجہ سے یہ معاوضہ لینا بھی حرام ہوگا۔

اصول فقہ کا قاعدہ ہے: اذَا اجْتَمَعَ الْحَلاَلُ وَالْحَرَامُ غُلِّبَ الْحَرَامُ. [الاشباہ والنظائر:۳۳۵/۱]''جب حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غالب مانا جاتا ہے''۔

(۲) شریعت میں"سود" اس لیے حرام ہے کہ اس میں مال سے مال حاصل کرنے کا ذریعہ اور بہانہ بنایا جاتا ہے، اس میں نہ تو کوئی پیداوار سامنے آتی ہے اور نہ ہی محنت پائی جاتی ہے، اس طرح جب مال سے مال پیدا کرنے کی ریت چل پڑتی ہے، تو لوگ بنیادی ذرائع معاش مثلاً کھیتیاں اور دیگر کاروبار چھوڑ دیتے ہیں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں بھی ممبری فیس کے طور پر تھوڑا سرمایہ لگا کر پیسوں سے پیسے حاصل کرنے کا حیلہ اختیار کیا جاتا ہے، ہر ممبر کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اپنے نیچے زیادہ سے زیادہ ممبران آجائیں تاکہ اچھی خاصی رقم کسی محنت ومشقت کے بغیر کمیشن کے طور پر ان کے پاس جمع ہوجائے حالانکہ مال سے مال کشید کرنا سود ہے، اس طرز کی تجارت کو ربا یعنی سود سے کافی مشابہت ہے، جسے قرآنِ پاک میں حرام فرمایا گیا ہے:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [بقرہ:۲۷۵]"اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے"۔

(۳) اس کمپنی میں شرکت کا مقصد کمپنی کا سامان خریدنا نہیں ہوتا، بلکہ کمیشن اور نفع کمانا ہی مدِنظر رہتا ہے، گویا مقصود کمیشن ہے سامان نہیں، سامان کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے شرعی حکم معلوم کرتے وقت مقصود اور غلبہ کا ہی اعتبار ہوگا، جیسا کہ فقہی قواعد اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں ہیں:

(الف) العِبْرَةُ فِيْ الْعُقُوْدِ لِلْمَقَاصِدِ وَالْمَعَانِيْ لاَ لِلْأَلْفَاظِ وَالْمَبَانِيْ . [قواعد الفقه: ص:۹۱] "معاملات میں مقاصد ومعانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے، الفاظ وعبارت کا نہیں"۔

(ب) اَلْعِبْرَةَ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لاَ لِلنَّادِرِ. (ایضاً) "رائج وغالب حیثیت کا ہی اعتبار ہوتا ہے، نادر وکم یاب کا نہیں"۔

(ج) اَلتابِعُ لا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمَتْبُوْعِ. [الاشباہ والنظائر:ج:۳۶۵/۱]''تابع کو متبوع پر مقدم نہیں کیا جاسکتا''۔

نیٹ ورک سسٹم میں شمولیت کا اصلی مقصد چونکہ کمیشن اور نفع حاصل کرنا ہی ہے، یہی پہلو شریک ہونے والوں کے لیے باعثِ کشش ہے، اس لیے اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ آدمی ممبر بننے کی فیس دے کر امید وبیم کی کیفیت میں مبتلا

ہوجاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس بہانے کافی منافع ہاتھ آجائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لگایا تھا وہ بھی ڈوب جائے یہی حقیقت ہے جوئے اور قمار کی۔

اور قمار کی تعریف سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انَّه تَعْلِيقُ الْمِلْكِ عَلَى الْخَطَرِ وَالْمَالُ فِي الْجَانِبَيْنِ. [فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸۴/۱۹] ترجمہ: ملکیت کو جوکھم (رِسک) پر معلق کرنا، جب کہ دونوں جانب مال ہو۔

حاصل یہ کہ قمار (جوا) میں معاملہ نفع وضرر کے درمیان گھومتا رہتا ہے، احتمال یہ بھی ہوتا ہے کہ بہت سا مال مل جائے گا، اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے، اسی کو "مخاطرہ" اور قرآن کی اصطلاح میں "میسِر" کہتے ہیں۔

جوئے کا مدار لالچ، جھوٹی آرزو اور فریب خوردگی کی پیروی پر ہے، جو کمزوروں کے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لیتا ہے، ہارنے والا اگر خاموش رہتا ہے تو محرومی اور غصہ میں خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہتا ہے، اور اگر دوسرے فریق سے لڑتا ہے، تو اس کی کوئی نہیں سنتا کیوں کہ "خود کردہ را علاجے نیست" جوئے کا تمدن اور باہمی تعاون میں کچھ حصہ نہیں۔

علامہ آلوسی میسر کی تشریح لکھتے ہیں: المَيْسِرُ... امَّا من اليُسْرِ لأنه أخذُ المال بِيُسْرٍ وَسُهُوْلَةٍ. [روح المعانی: ۱۱۳/۲] یعنی "میسر" یا تو یُسر سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں، کسی کا مال آسانی اور سہولت سے مار لینا، میسر (جوا) کے ذریعہ لوگوں کے اموال آسانی سے جھپٹ لیے جاتے ہیں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی موجودہ شکل میں جوئے کی حقیقت پائی جا رہی ہے، جیسا کہ غور کرنے والوں پر مخفی نہیں، اور جوئے کی حرمت بھی سود کی طرح نص قطعی سے ثابت ہے۔

(۴) نیٹ ورک مارکیٹنگ میں وہی آدمی کامیاب و بامراد ہوتا ہے، جو تیز طرار، باتونی اور چرب لسان ہو، سامنے والوں کو متاثر کر کے ممبر بنالیتا ہو، جو لوگ اس طرح کی شاطرانہ چال نہیں چلتے، یا یہ صلاحیت ان میں نہیں ہوتی، وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں، ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور وہ دھوکہ کھا کر مایوس ہوجاتے ہیں۔

ایسے دھوکہ کی بیع وشراء سے متعلق ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نَهَى رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الغَرَرِ. [صحیح مسلم:۱۵۱۳] ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھوکہ والی بیع سے منع کیا ہے''۔

مبسوط میں علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے غرر کی تعریف اس طرح کی ہے۔ الغَرَرُ مَا يَكُوْنُ مَسْتُوْرَ الْعَاقِبَةِ. [المبسوط:۱۹۴/۱۲] ''دھوکہ وہ ہے جس کا انجام پوشیدہ ہو''۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ غرر میں انجام معلوم نہیں ہوتا، مذکورہ طرزِ تجارت میں نفع ملنے اور نہ ملنے کا پتا نہیں ہوتا، گویا

قمار(جوا)ہی کی دوسری تعبیر"بیع غرر"ہے۔بعض لوگوں نے اس طرزِتجارت کولاٹری(Lottery)سے بھی بدتر بتایا ہے؛اس لیے کہ لاٹری میں ٹکٹ خرید کرآدمی سکون سے انتظار کرتا ہے،لیکن اس میں ممبرشپ حاصل کرنے کے بعد ممبرسازی کے لیےخوب دوڑ دھوپ کرتا ہے،پیسے خرچ کرتا ہے پھربھی ممبر نہ بنانے کی صورت میں اصل سرمایہ سے بھی ہاتھ دھولیتا ہے،اور کمپنی رُک جانے کے وقت نیچے کے تین درجوں کے لوگ یقینا محروم رہ جاتے ہیں،اس لیے اس میں نفع کا چانس لاٹری سے بھی کم ہے،اگر یہ معلوم ہوجائے کہ وہی سلسلہ کا آخری آدمی ہوگا،تو ہرگز سامان خرید کردہ ممبر نہیں بنے گا۔

(۵)اسلام نے اپنے تجارتی اصول میں ملکی مصلحت کا خیال رکھا ہے،مصنوعی رکاوٹ ملکی مصلحت کے لیے نہایت ہی مضرثابت ہوتی ہے،اس سے اشیاء کی قیمتوں میں غیرمعمولی اضافہ ہوجاتا ہے،تجارت کا مال تمام شہریوں تک پہنچنے کے بجائے چندلوگوں کے پاس ہی سمٹ کر رہ جاتا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾[سورة الحشر:۷]''تاکہ وہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان(ہی)گردش کرنے والی نہ ہوجائے''۔

زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی تاجر دیہات سے شہر میں آتا تھا توشہر کے بعض تجارشہر سے باہر نکل کران سے پہلے ہی ملتے،اورساراسامال خرید لیتے تھے تاکہ یہ مال شہر میں نہ آسکے اورسارے لوگ ان سے خریدنے پر مجبور ہوں،اس کو اصطلاح میں"تلقیِ جلب"کہا جاتا ہے،رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[صحيح سنن ابی داؤد:۳۴۳۷]اس لیے کہ اس میں اشیاء چندآدمیوں کے ہاتھوں میں جا کرعوام کے لیے مہنگی ہوجاتی ہیں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں بھی یہ خرابی ہے کہ ہرآدمی ان کمپنیوں کے سامان نہیں خرید سکتا،صرف ممبران ہی خرید سکتے ہیں،اس لیے بھی اشیاء نہایت ہی گراں ہوتی ہیں۔

(۶)اس طرح کی کمپنیوں میں اشیاء کی قیمت عام مارکیٹ ریٹ(Market rate)کے مقابلہ میں تین گنا بلکہ چھ گنا زیادہ ہوتی ہے،اشیاء کی جودت وعمدگی کا دعویٰ بھی فضول معلوم ہوتا ہے،اس لیے کہ اگروہی اشیاء عام مارکیٹ میں رکھی جائیں،تولوگ ہرگز اتنی قیمت میں نہیں خریدیں گے،دوسری کمپنیوں کی مصنوعات ہی کوترجیح دیں گے۔

اسے فقہاء کی اصطلاح میں"غبن فاحش"کہتے ہیں،جومکروہ ہے،حتیٰ کہ شریعت مشتری یعنی خریدنے والے کوغبنِ فاحش کی وجہ سے مبیع(خریدی ہوئی چیز)کے واپس کرنے کا حکم دیتی ہے۔

(۷)نیٹ ورک مارکیٹنگ میں کمپنی کا مال خریدنے کے ساتھ کچھ ناجائز شرائط ہوتی ہیں،رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:ما كانَ مِن شَرْطٍ ليسَ في كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَهو بَاطِلٌ، وإِنْ كانَ مِئَةَ شَرْطٍ.[صحيح

بخاری: ۲۱۶۸ باختلاف یسیر] ''قرآن کے معارض جو بھی شرط ہے تو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں''۔

منجملہ شرائط حسب ذیل ہیں:

(الف) کمپنی کا مال بازار میں رکھ کر بیچ نہیں سکتے۔

(ب) کمپنی کے مال یا اس کے طریقۂ کار کی خامیاں بیان نہیں کر سکتے۔

(ج) کمپنی کا سامان لینے کے لیے ایجنٹ اور ممبر بننا شرط ہے، ممبری فیس ضرور وصولی جائے گی۔

(د) بعض کمپنیوں میں رعایتی قیمت پر سامان لینے کے لیے ممبر ہونا اور ممبری فیس ادا کرنا ضروری ہے، بغیر ممبر بنے سامان خریدنے پر سامان مہنگا ملے گا۔

چونکہ مارکیٹ میں لانے سے اشیاء کے پرکشش نہ ہونے کی صورت میں کساد بازاری کے شکار ہوں گے اسی طرح خامیوں کو اجاگر نہ کرنے کی اجازت گویا عیب چھپانا اور کسٹمر کو پردے میں رکھنا ہے جو شرعاً منع ہے، علاوہ ازیں صرف ممبر ہی خرید سکتا ہے اس کے پس پردہ کمیشن کی لالچ اور ممبر شپ چارج ہڑپ کرنے کی سازش ہے جو سرے سے مسترد ہے۔

(۹) نیٹ ورک مارکیٹنگ میں خرید وفروخت کے معاملہ کے ساتھ اجارہ (یعنی ایجنٹ بننے کی ملازمت) مشروط ہے اس لیے ایسے عقدِ بیع اور عقدِ اجارہ کو دو معاملوں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں، اور یہ حدیث کی رو سے ممنوع ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: نَهٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْبَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ. [صحيح نسائي: ۴۶۴۶] ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاملہ میں دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

(۱۰) نیٹ ورک مارکیٹنگ میں موہوم کمیشن کا لالچ دلا کر باطل اور ناجائز طریقے سے مال کھانے کا طرز اپنایا گیا ہے، اس طرزِ معاملہ کو ماہرینِ اقتصادیات ''تعاملِ صغریٰ'' (Zero sum game) کہتے ہیں، جس میں بعض افراد نفع پاتے ہیں اور اکثر خسارہ میں رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے باطل طریقۂ کسب کو سختی سے منع فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الاَّ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ [نساء:۲۹] ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو''۔

چند اشکالات اور ان کے جوابات:

(۱) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممبر بنانے پر کمپنی کا کمیشن دینا انعام ہے، راست ممبر بنانے پر تو دیا ہی جاتا ہے، نیچے

کے ممبران کے بنائے ہوئے ممبران، چونکہ پہلے ممبر کے واسطے سے ہیں، اس لیے کمپنی اگر بعد میں بھی انعام کا سلسلہ جاری رکھتی ہے، تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: نیچے کے افراد سے لے کر اوپر کے لوگوں کو فی صدی کمیشن (Commission) دینا ارتکازِ دولت اور مال ہتھیانے کا حیلہ ہے، یہ میسر کے مشابہ تو ہو سکتا ہے، انعام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اس لیے کہ انعام صلبِ بیع میں کبھی داخل اور مشروط نہیں ہوتا۔

(۲) جس طرح ایک کارِ خیر کے ثواب کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، ایک آدمی نے کسی کو کسی نیک کام کی تلقین کی، دوسرے نے عمل کرنے کے ساتھ تیسرے کو تلقین کی، تو ظاہر ہے کہ بعد والے کا ثواب پہلے والے کو ضرور ملے گا، اسی طرح "نیٹ ورک مارکیٹنگ" میں بھی کمپنی کمیشن کا سلسلہ جاری رکھتی ہے، تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، اللہ کا فضل کسی ضابطہ کا محتاج نہیں، مذکورہ کمپنی کو ثوابِ آخرت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ یہ دنیا کا معاملہ ہے اور بندوں کے ذریعہ تکمیل کو پہنچتا ہے، بندوں کو اللہ تعالیٰ نے قانون کا پابند بنایا ہے، اسی کے لیے شریعت نازل فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کسی قانون کے پابند نہیں، وہاں عدل کے ساتھ فضل کا ظہور ہوگا، بندوں کے معاملے اللہ تعالیٰ کے قانون سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتے، ثواب کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ہمیں ہمارے اساتذہ نے پڑھایا، ہم طلبہ کو پڑھاتے ہیں، وہ طلبہ دوسرے طلبہ کو پڑھاتے ہیں، ثواب تو نیچے والوں کا اوپر والوں کو ضرور ملتا ہے، لیکن نیچے والوں کی تنخواہ کا کوئی حصہ اُوپر والوں کو نہیں ملتا، آخر کیوں؟

(۳) ممبر سازی کی اُجرت دلالی کی طرح ہے، جس طرح دلال کو سامان خریدوانے اور بیچوانے کی اجرت ملتی ہے، اسی طرح یہاں بھی نئے ممبر بنانے پر اُجرت ملتی ہے، تو اس میں کیا خرابی رہ گئی؟

جواب: مذکورہ طرزِ تجارت اور دلالی میں کافی فرق ہے اس لیے کہ:

(الف) دلال کو سامان کی فروختگی پر اُجرت ملتی ہے، یہاں تو ایجنٹ بننے کے لیے خود ایجنٹ ہی اجرت ادا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے، مذکورہ تجارت میں سامان فروخت کرنا، اصل مقصد نہیں ہوتا بلکہ نئے ایجنٹ تیار کرنا ہی اہمیت رکھتا ہے۔

(ب) دلال کو کوئی گھاٹا نہیں ہوتا، وہ مال فروخت کرتا اور اجرت و کمیشن پاتا رہتا ہے، لیکن یہاں ہر آخری مرحلہ کا ایجنٹ یقینی طور پر گھاٹے میں رہتا ہے، ظاہر ہے کہ کمپنی کبھی نہ کبھی رُکے گی، جب بھی رکے گی، آخری مرحلہ کے ایجنٹ کو

کچھ نہیں ملے گا، پھر ظلم یہ کہ ممبری فیس بھی سوخت ہو جائے گی،"یک نہ شد دو شد"، اس لیے ان کمپنیوں کی ممبر سازی کی مہم کو دلالی سے تعبیر کرنا غلط ہے۔

خلاصۂ بحث:

نیٹ ورک مارکیٹنگ دولت اِکٹھا کرنے کی ایک اَہرامی اور مخروطی اسکیم ہے، اس میں مصنوعات بطورِ حیلہ فروخت کی جاتی ہیں، اصل مقصد ممبر سازی کے ذریعہ نفع کمانا ہوتا ہے، اس میں سود سے بھی زیادہ ارتکازِ دولت کی تدبیر موجود ہے، لاٹری (Lottery) اور جوے سے مشابہت ہے، دھوکہ اور غرر اتنا زیادہ ہے کہ دولت مندی کے لالچ میں پوری کی پوری آبادی کو مالی بحران کا شکار بنا سکتی ہے، اس میں چند لوگوں کو منافع پہنچانے کے لیے ایک کثیر تعداد زنجیر میں بندھی رہتی ہے، اخیر کے لواحقین وممبران ہمیشہ دھوکے اور گھاٹے میں رہتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں نیچے کے کئی مراحل بلا کمیشن منہ تکتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ"سودی نظام" کے ماہرین نے بھی اس طرزِ تجارت کو مسترد کر دیا ہے، متعدد ممالک میں اس پر پابندی عائد کی گئی ہے، ساتھ ہی عوام کو اس میں پھنسنے سے متنبہ بھی کیا گیا ہے، یہ اخلاقی اور اقتصادی لحاظ سے بھی قابلِ قبول نہیں ہے، شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے اس میں سود و قمار سے مشابہت، باطل شرطوں کا وجود ہے، دو معاملوں کو ایک میں جمع کرنا، خرید و فروخت کے بہانے دوسری چیز یعنی کمیشن کا ارادہ، باطل طریقے سے مال جمع کرنا، ملکی مصلحت کا فقدان اور بعض صورتوں میں"غبن فاحش" وغیرہ خرابیاں پائی جاتی ہیں، اس لیے اس میں شرکت جائز نہیں ہے، ہند و عرب کے مشاہیر علماء اور مفتیانِ کرام نے اس کے عدمِ جواز کے فتوے صادر فرمائے ہیں۔

جس شخص کو راست ممبر بنایا جائے اس کی خریداری پر ملنے والا کمیشن اگرچہ فی نفسہ جائز ہوسکتا ہے، مگر وہ بھی چونکہ الگ کر کے نہیں دیا جاتا، بلکہ چند ممبران اور چند مرحلے گزرنے ضروری ہوتے ہیں، اور سب کا کمیشن ملا کر دیا جاتا ہے، اس لیے حرام وحلال کے ملنے کی وجہ سے پہلے مرحلہ کے ممبران کی وجہ سے آنے والا کمیشن بھی حرام ہوگا، محض مصنوعات خریدنے کے لیے ایسی کمپنیوں کا ممبر بننا بیع مع شرط کی وجہ سے ناجائز ہے، بلا ممبر بنے سامان خریدنا جائز تو ہے، مگر ایسی کمپنیوں کا تعاون ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں، ایسی کمپنیاں نہ تو معاشی اور اقتصادی لحاظ سے فائدہ مند ہیں، نہ ہی اخلاقی اعتبار سے قابل شرکت اور نہ ہی اسلامی اصول کے تحت جائز ہیں، اس لیے ان کا ممبر بننا اور کمیشن حاصل کرنا، ناجائز اور حرام ہے۔

❁❁❁

جوا اور اس کی جدید شکلیں

ڈاکٹر عبد الغفار سلفی رحفظہ اللہ

محترم علمائے کرام، بزرگ حضرات، نوجوان بھائیو، ماؤں اور بہنوں، پیارے بچو! اسلامی انفارمیشن سینٹر ممبئی اور مسجد اہل حدیث مومن پورہ، بائیکلہ کے اشتراک وتعاون سے آج کی یہ عظیم الشان کانفرنس جس میں ہم اور آپ بیٹھے ہوئے ہیں، ہم سب سے پہلے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس اہم موضوع پر ہم سب کو جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں آئی آئی سی اور اس مسجد کے ذمہ داران کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک بہت اہم اور حساس موضوع پر یہ کانفرنس منعقد کی۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

جوئے کی شرعی حیثیت اور اس کا تعارف:

محترم قارئین! حرام کمائی کے مختلف ذرائع پہلے بھی رائج تھے اور آج بھی رائج ہیں، ان میں سے ایک ذریعہ ''جوا'' ہے۔ اسلام جوئے کے تعلق سے کیا کہتا ہے؟ جوئے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ اور پھر جوئے کا معاشرے پر کیا نقصان پڑتا ہے؟ اور جوئے کی کون کون سی جدید شکلیں آج ہمارے معاشرے میں رائج ہیں؟ ان سب نکات پر زیر مضمون میں ہم ان شاء اللہ روشنی ڈالیں گے۔

جوا کو عربی میں ''میسر'' اور ''قمار'' کہتے ہیں، انگریزی میں اسے ''گیمبلنگ'' کہا جاتا ہے۔ جوا ایک ایسی ڈیلنگ یا معاملہ ہوتا ہے جس میں کسی غیر یقینی (uncertain) واقعہ کی بنیاد پر کوئی رقم داؤ پر لگائی جاتی ہے۔ اس میں یا تو رقم لگانے والا اپنی پوری لگائی ہوئی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یا اسے اتنی ہی رقم یا اس سے زیادہ رقم بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے۔

جوئے کی تعریف میں چار چیزیں شامل ہیں۔ اگر ان چار چیزوں میں سے کوئی ایک چیز نہ ہو تو وہ جوا نہیں کہلائے گا:

(۱) دو یا دو سے زیادہ فریق شامل ہوں: اگر کوئی ڈیلنگ ہو رہی ہے اور اس میں دو یا دو سے زیادہ فریق شامل ہوں، تب ہی وہ جوا کہلائے گا۔ اگر ایک طرف سے کچھ دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے تو وہ قمار یا جوئے میں شامل نہیں۔ مثلاً، اگر کوئی شخص کہے کہ آؤ میچ کھیلتے ہیں، اگر تم جیت گئے تو میں تمہیں اتنی رقم دوں گا، لیکن اگر میں جیت گیا تو تمہیں کچھ دینے کی ضرورت نہیں، تو یہ شرعی قمار میں شامل نہیں۔

(۲) ہر فریق اپنا مال داؤ پر لگائے: اگر معاملہ کرنے والے فریق اپنا مال داؤ پر نہ لگائیں، بلکہ کوئی تیسری پارٹی اپنی

رقم خرچ کرے، مثلاً ایک شخص عمر اور بکر سے کہے کہ تم دونوں کھیلو، جو جیتے گا میں اسے انعام دوں گا، تو یہ صورت بھی جوئے میں شامل نہیں۔

(۳) غیر یقینی واقعہ کی بنیاد پر ہو: اگر جوا کسی یقینی چیز کی بنیاد پر ہو رہا ہو، تو وہ جوا نہیں ہے۔ مثلاً، اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اگر آج سورج مغرب کی طرف غروب ہوا تو تم مجھے ۱۰۰۰ دو گے، اور اگر مشرق کی طرف غروب ہوا تو میں تمہیں ۱۰۰۰ دوں گا، تو یہ قمار میں شامل نہیں کیونکہ یہ یقینی واقعہ پر منحصر ہے۔

(۴) بغیر کسی معاوضے کے مال جائے یا ملے: اگر کوئی شخص اپنے مال کا حقیقی عوض حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ انعام بھی ملتا ہے، تو وہ جوا نہیں ہے۔ مثلاً، اگر کوئی شخص صابن یا ٹوتھ پیسٹ خریدتا ہے اور کمپنی اسے کوئی اضافی چیز بطور آفر دیتی ہے، تو اسے ہم جوا نہیں کہیں گے کیونکہ اس نے اپنے مال کا حقیقی عوض حاصل کر لیا۔

جوئے کی شرعی حیثیت:

عرب میں جس طرح شراب کا رواج بہت زیادہ تھا اسی طرح جوئے کی مختلف شکلیں بھی رائج تھیں۔ چونکہ یہ اچانک مال کمانے اور غیر یقینی بنیاد پر مال کمانے کا ذریعہ تھا، اس لیے لوگ جوا کھیلتے تھے۔ شریعت نے جوئے کو ایک دم حرام نہیں کیا، بلکہ تدریجی طور پر حرام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ میں فرمایا:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾

''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ شراب اور جوئے میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے''۔ [البقرہ:۲۱۹]

یہ پہلا مرحلہ تھا کہ شراب اور جوئے کے نقصانات کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا گیا۔ پھر آخری مرحلے کے طور پر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰ اور ۹۱ نازل ہوئیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو شیطان کا کام قرار دیا اور اس سے بچنے کا حکم دیا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابۂ کرام نے شراب اور جوئے کو ترک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے مطالبہ کیا کہ "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" (کیا تم باز آؤ گے؟) اور صحابہ اس سے باز آ گئے۔

حدیث میں بھی جوئے کی حرمت اور مذمت کے بارے میں وارد ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ. ''جو شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ جوا کھیلیں، تو اسے صدقہ خیرات کرنا چاہیے''۔ [صحیح بخاری، کتاب الادب، ح:۶۱۳۸]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جوئے کا محض ارادہ کرنا یا اسے کھیلنے کی دعوت دینا بھی گناہ ہے، اور اس کے کفارے کے طور پر صدقہ کرنا چاہیے۔

جوئے کے معاشرتی نقصانات:

جوا معاشرے پر کئی طرح کے نقصانات ڈالتا ہے:

(۱) اللہ کی نافرمانی: سب سے پہلا نقصان یہ ہے کہ جوا کھیلنا حرام اور ناجائز کام ہے۔ اللہ نے اسے گناہ قرار دیا، اس لیے ہمیں اور آپ کو اس سے بچنا ہے۔

(۲) نفرت اور دشمنی: جیسا کہ قرآن میں سورہ مائدہ میں بیان ہوا کہ جوئے کے ذریعے نفرت اور دشمنی پھیلتی ہے۔ جب ایک شخص جوئے کے ذریعے ڈھیر سارا پیسہ کما لیتا ہے اور دوسرا اپنا پیسہ گنوا دیتا ہے، تو اس معاملے کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔

(۳) نماز اور ذکر سے غفلت: جوا ایک ایسی لت بن جاتا ہے کہ انسان اس میں مبتلا ہو کر اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل ہو جاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ممبئی ہو یا کوئی اور مسلم بستی، جو ہمارے نوجوان آن لائن گیمز، جوئے اور سٹے بازی کی لعنت میں گرفتار ہیں، ان کی زندگی میں نہ نماز ہے، نہ اللہ کا ذکر، اور نہ ہی اپنے ضروری فرائض کی فکر۔

(۴) چوری اور جرائم: جب کوئی شخص جوا کھیلتا ہے اور اپنی رقم گنواتا ہے، تو وہ مزید پیسہ حاصل کرنے کے لیے چوری، ڈکیتی یا دیگر ناجائز طریقوں کا سہارا لیتا ہے تاکہ جوئے میں دوبارہ رقم لگا سکے۔

(۵) سستی اور کاہلی: جوا معاشرے میں سستی اور کاہلی کو فروغ دیتا ہے۔ یہ بغیر محنت کے پیسہ کمانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، جس سے لوگ محنت اور کام سے دور ہوتے ہیں۔

جوئے کی جدید شکلیں:

(۱) آن لائن گیمز: ڈریم الیون، ایوی ایٹر جیسے پلیٹ فارمز جہاں غیر یقینی نتیجہ کی بنیاد پر پیسہ لگایا جاتا ہے۔ یہ ایپس چند منٹوں میں دس گنا پیسہ کمانے یا صفر کر دینے کا ذریعہ ہیں، جو ہمارے نوجوانوں کو دھوکے میں ڈالتی ہیں۔

(۲) سٹے بازی: آئی پی ایل جیسے کھیلوں کے میچوں پر سٹہ لگانا، جو ہمارے نوجوانوں میں عام ہے۔ بڑی بڑی مشہور شخصیات اور بالی ووڈ اداکاران ایپس کا پرچار کرتے ہیں، جس سے نوجوان راغب ہوتے ہیں اور اپنی محنت کی کمائی برباد کر دیتے ہیں۔

(۳) لاٹری: لوگ کم رقم کے ٹکٹ خریدتے ہیں اور ڈرکی بنیاد پر انعام جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ جوئے کی ایک

کھلی شکل ہے اور شرعاً حرام ہے۔

(۴) اخبارات کے کوپن: کچھ اخبارات میں پہیلیاں یا کوپن ہوتے ہیں جنہیں حل کر کے فیس کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اور ڈرا کی بنیاد پر انعام دیا جاتا ہے۔ یہ بھی جوئے میں شامل ہے۔

(۵) انشورنس (بیمہ): کچھ انشورنس پالیسیاں جو غیر یقینی بنیاد پر پریمیم کے بدلے رقم دیتی ہیں، جیسے کہ ماہانہ پریمیم ادا کرنا اور کسی حادثے یا موت کے وقت غیر یقینی رقم حاصل کرنا، یہ بھی جوئے کی ایک شکل ہے اور شرعاً حرام ہے۔

(۶) آن لائن ٹاسک: کچھ آن لائن ٹاسک جیسے جھوٹے ریویوز دینا، غیر ضروری ویڈیوز یا حرام تصاویر دیکھ کر پیسہ کمانا، یہ بھی جوئے کی ایک شکل ہیں کیونکہ یہ غیر یقینی بنیاد پر مال حاصل کرنے کی کوشش ہے۔

(۷) فیوچر اینڈ آپشن (F&O) ٹریڈنگ: یہ ایک ایسی ٹریڈنگ ہے جو غیر یقینی بنیاد پر ہوتی ہے، جہاں پریمیم ادا کیا جاتا ہے اور نتیجہ کے مطابق یا تو نقصان ہوتا ہے یا منافع ملتا ہے۔ یہ جوئے کی ایک جدید شکل ہے اور شرعاً حرام ہے۔

(۸) کرپٹو کرنسی میں سٹے بازی: کچھ لوگ کرپٹو کرنسیز (جیسے بٹ کوائن) کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر سٹہ لگاتے ہیں، جو کہ غیر یقینی بنیاد پر مال کمانے کی کوشش ہے اور جوئے میں شامل ہے۔

(۹) آن لائن بیٹنگ ایپس: کچھ ایپس جو کھیلوں، مقابلوں، یا دیگر غیر یقینی واقعات پر بیٹنگ کی سہولت دیتی ہیں، جیسے کہ سیاسی انتخابات یا ریئلیٹی شوز پر شرط لگانا، یہ بھی جوئے کی ایک شکل ہے۔

جوئے کی وجوہات:

آج کے معاشرے میں جوا کیوں بڑھ رہا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگ حلال اور حرام کی تمیز بھولتے جا رہے ہیں۔ ایک ایسی سوچ بنتی جا رہی ہے کہ بس پیسہ کمانا ہے، چاہے وہ کسی بھی طریقے سے آئے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس دور کی پیش گوئی فرمائی:

”يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ“.

”لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ انہوں نے مال حلال سے لیا یا حرام سے“۔ [صحيح بخاری، كتاب البيوع، ح:۲۰۸۳]

لیکن اللہ کا فضل و کرم ہے کہ آج اس کانفرنس میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے حضرات اس بات کی دلیل ہیں کہ اب بھی مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت میں یہ شعور موجود ہے کہ وہ اسلام کے نظام تجارت کو جاننا چاہتی ہے۔

حلال کمائی کے طریقے:

ہمارے کچھ نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ منفی تصور ہے کہ جو احرام ہے، سود حرام ہے، تو حلال کیا ہے؟ میرے بھائیو! حلال کمائی کے لامحدود طریقے ہیں۔ حرام کی فہرست محدود ہے، جبکہ حلال کی کوئی فہرست نہیں۔ آپ مناسب چینلز سے پیسہ کمائیں، تجارت کے ذریعے کمائیں، حلال کاروبار کریں، جیسے:

تجارت: حلال کاروبار جیسے کپڑوں، کھانے پینے کی اشیاء، یا دیگر جائز مصنوعات کی خرید و فروخت۔

ملازمت: حلال پیشوں میں کام کرنا، جیسے تدریس، طب، یا ٹیکنالوجی۔

زراعت: کھیتی باڑی یا دیگر حلال ذرائع سے روزی کمانا۔

فری لانسنگ: جائز آن لائن کام جیسے گرافک ڈیزائننگ، رائٹنگ، یا پروگرامنگ۔

جائز انعامات کی صورتیں: اگر کوئی انعام بغیر کسی وعدے یا معاہدے کے دیا جائے، جیسے کہ کوئی طالب علم امتحان میں کامیاب ہوتا ہے اور اس کے اساتذہ یا رشتے دار اسے انعام دیتے ہیں، تو یہ جوئے میں شامل نہیں، بلکہ تحفے کے حکم میں ہے۔ اسی طرح، اگر کوئی انعام پہلے سے طے شدہ ہو، لیکن اس کے بدلے میں کوئی معاوضہ یا فیس نہ لی جائے، جیسے کہ کوئی مقابلہ ہو اور فاتح کو انعام دیا جائے، تو وہ بھی جائز ہے۔

مثال کے طور پر، اگر کوئی کمپنی اپنے پراڈکٹس کی فروخت بڑھانے کے لیے ڈر کے ذریعے انعامات دیتی ہے، لیکن اس انعام کی وجہ سے پراڈکٹ کی قیمت نہ بڑھائی گئی ہو، کوالٹی میں کمی نہ کی گئی ہو، اور خریدار کا مقصد پراڈکٹ سے فائدہ اٹھانا ہو نہ کہ انعام حاصل کرنا، تو یہ جائز ہو سکتا ہے۔

اللہ کا اصول: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اصول دیا کہ ہم دوسروں کا مال ناجائز اور باطل طریقوں سے نہ کھائیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ...﴾

''اے ایمان والو! اپنے اموال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ''۔ [النساء:۲۹]

اگر ہمیں لگتا ہے کہ جوئے، سود یا سٹے بازی کے ذریعے ہم کچھ پیسہ کما رہے ہیں، تو آخرت کے اعتبار سے وہ مال ہمیں بربادی کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو پیسہ حرام اور ناجائز طریقے سے آئے گا، وہ دنیاوی حساب سے کما بھی لیا جائے، لیکن آخرت کے اعتبار سے وہ ہمیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔

❁❁❁

ہیوی ڈپوزٹ کا شرعی حکم

تحریر: شیخ سرفراز فیضی
پیشکش: شیخ کفایت اللہ سنابلی

ہیوی ڈپوزٹ ہے؟

ہیوی ڈپوزٹ ہندستان بھر میں مکان کے کرائے پر لین دین کا ایک معروف طریقہ ہے۔ **ہیوی ڈپوزٹ** کا طریقہ یہ ہے کہ مالک مکان کسی مکان کا ڈپوزٹ رائج ڈپوزٹ کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ لیتا ہے۔ اور اس ''ہیوی ڈپوزٹ'' کے بدلہ میں کرایہ یا تو مکمّل معاف کردیتا ہے یا انتہائی کم کردیتا ہے۔

مثلاً اگر کسی علاقہ میں گھر کا کرایہ **پانچ ہزار** اور ڈپوزٹ **پچاس ہزار** رائج ہے تو مالک مکان **پچاس ہزار** کے بجائے **تین لاکھ** ڈپوزٹ لیتا ہے۔ اور **ڈپوزٹ** واپس کرنے تک یا تو اس کا کرایہ سرے سے لیتا نہیں یا پھر انتہائی کم مثلاً **تین سو یا پانچ سو روپیہ** وصول کرتا ہے۔

ہیوی ڈپوزٹ کا شرعی حکم

ہیوی ڈپوزٹ سود کی ایک واضح شکل ہے۔ اس میں کرایہ دار سود لینے والا ہے اور مالک مکان سود دینے والا۔ اس حکم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے کچھ ابتدائی باتیں آپ سمجھ لیں۔

(۱) سود کسے کہتے ہیں؟: کسی قرض پر شرطیہ حاصل کیا جانے والا نفع سود کہلاتا ہے۔ جو بلا کسی اختلاف کے حرام ہے۔ كل قرض شرط فيه أن يزيده فهو حرام بغير خلاف. [المغنی:۶/۴۳۶]

(۲) قرض کے بدلہ میں قرضدار سے کسی بھی طرح کا نفع شرطیہ حاصل کرنا سود ہے۔ **خواہ یہ نفع رقم کی صورت میں ہو ہے یا خدمت (service) کی صورت میں:** مثلاً آپ کسی کو پانچ ہزار روپیے قرض دیں اس شرط پر کہ وہ ان پانچ ہزار روپیوں کے بدلہ چھ ہزار روپیے واپس لوٹائے۔ اس صورت میں یہ ایک ہزار روپیے جو آپ نے زائد لیے سود ہیں۔

اسی طرح آپ کسی کو پانچ ہزار روپیے قرض دیں اور یہ شرط لگادیں کہ جب تک وہ پانچ ہزار نہ لوٹادے تب تک بنا کسی معاوضہ کے آپ کے بچّوں کو تعلیم دے۔ ایسی صورت میں یہ مفت تعلیم وہ نفع ہے جو آپ قرض کے بدلہ شرطیہ حاصل کررہے ہیں۔ یہ بھی سود ہے۔

(۳) ڈپوزٹ کیا ہے؟: ڈپوزٹ اصل میں کرایہ دار کی طرف سے ''ضمانت'' کی ایک مخصوص رقم ہے۔ اس رقم کا مقصد سکیوریٹی ہوتا ہے۔ جو مالک مکان ممکنہ نقصان سے بچنے کے لیے لیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی گھر کا کرایہ دس ہزار ہے۔ مالک مکان کو خدشہ ہے کہ کرایہ دار دو تین مہینے کا کرایہ ادا کیے بغیر مکان چھوڑ کر جا سکتا ہے، یا گھر میں کچھ فرنیچر ہو جس کو

نقصان پہنچا کر بھاگ جائے گا یا لائٹ بل کچھ مہینے کی ادا کیے بغیر چلا جائے گا۔ ان سارے خدشات کو سامنے رکھ کر زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ تک نقصان کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایک لاکھ روپیہ مالک مکان گھر کرائے پر دیتے وقت ہی کرایہ دار سے لے کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ تاکہ کسی نقصان کی صورت میں وہ اپنی رقم اس ڈپوزٹ میں سے کاٹ لے۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ رقم ممکنہ نقصان سے بچنے کے لے اندیشے کے تحت لے کر رکھی ہے۔ کرایہ دار نے یہ رقم ضمانت کے طور پر جمع کی ہے تاکہ مالک مکان اس کی طرف سے بے فکر رہے۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ رقم ایک طرح کی امانت ہے۔ یہ استعمال کے لیے نہیں دی گئی۔

(۴) ڈپوزٹ یا قرض؟: یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ڈپوزٹ کی رقم اصلا ضمانت ہوتی ہے۔ سیکیوریٹی کے مقصد سے لی جاتی ہے۔ یہ رقم استعمال کے لیے نہیں لی جاتی۔ لیکن ہیوی ڈپوزٹ میں یہ بات دونوں طرف سے طے شدہ اور معہود فی الذہن (understood) ہوتی ہے کہ ڈپوزٹ کے نام پر جو رقم لی جارہی ہے استعمال کے لیے لی جارہی ہے۔ اور اس کے استعمال سے ملنے والے فائدے ہی کی وجہ سے مالک مکان کرایہ معاف کررہا ہے یا اس میں تخفیف کررہا ہے۔ لہٰذا اگرچہ اس رقم کو ڈپوزٹ کہا جاتا ہے۔ **لیکن یہ اپنے اصل کے اعتبار سے ڈپوزٹ نہیں قرض ہے۔** کسی چیز کا نام تبدیل کرنے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوجاتی۔ اور اسلام کسی بھی چیز کی حقیقت کے اعتبار سے اس پر حکم لگاتا ہے نا کہ اس کے مروّج نام کی بنیاد پر۔

(۵) ان سارے مقدّمات کے ثابت ہوجانے کے بعد یہ بات آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ہیوی ڈپوزٹ کی رائج شکل بھی بالکل واضح سود ہے۔ ہیوی ڈپوزٹ کے معاملہ میں **کرایہ دار سود لینے والا ہے اور مالک مکان سود دینے والا**۔ جس طرح ''دھنی'' سے یا بینک سے لیے جانے والے سودی قرض میں سود دینے والا ایک ''رقم'' ''قرض'' لیتا ہے اسی طرح ہیوی ڈپوزٹ کی صورت میں مالک مکان ایک ''رقم'' کرایہ دار سے ''قرض'' لیتا ہے۔ دھنی سے یا بینک سے لیے جانے والے سودی قرض میں قرض لینے والا جب تک قرض نہیں لوٹا تا اور ہر مہینے ایک متعین رقم سود کے نام پر دھنی کو یا بینک کو چکاتا ہے۔ ہیوی ڈپوزٹ میں بھی مالک مکان جب تک کرایہ دار کا ڈپوزٹ نہیں لوٹاتا ہر مہینے کرائے کی رقم جو اس کو کرایہ دار سے حاصل کرنی تھی وہ وصول نہ کر کے سود چکاتا ہے۔

دو شبہات: دینی معاملات کا علم نہ رکھنے والے بعض لوگ ہیوی ڈپوزٹ کے حلال ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہیوی ڈپوزٹ کا معاملہ دونوں (کرایہ دار اور گھر مالک) کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی رضامندی کی وجہ سے اس معاملے کو حلال ہونا چاہیے۔ حالانکہ بینک سے اور دھنی لیے جانے والے سود میں بھی دونوں کی رضامندی

شامل ہوتی ہے۔لیکن کسی معاملہ پر فریقین کے رضا مند ہو جانے سے بیع جائز نہیں ہو جاتی۔

بعض حضرات اس کے جواز کے لیے دلیل دیتے ہیں کہ اس معاملہ میں دونوں کا فائدہ ہے اس لیے اس کو حلال ہونا چاہیے۔ یہ دلیل بھی انتہائی بودی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ کسی چیز میں فائدہ ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ ورنہ بینک اور دھنی سے لیے جانے والے سود میں بھی کئی مرتبہ دونوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہیوی ڈپوزٹ کے بہت سارے معاملات میں مالک مکان ہیوی ڈپوزٹ پر روم دے کر ہیوی ڈپوزٹ کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور کاروبار فیل ہو جانے کی صورت میں کئی سالوں تک گھر کے کرایہ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اور نقصان اٹھاتا ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو بھی جانتے ہیں جو ہیوی ڈپوزٹ پر گھر اٹھا کر پھنس چکے ہیں۔ پانچ دس سال سے روم کا ہیوی ڈپوزٹ چکا نہیں پا رہے اور ہر مہینے کرائے کے لیے آنے والے رقم کا نقصان برداشت کر رہے ہیں۔

ایک حیلہ

بعض حضرات ایک حیلہ کے ذریعہ ہیوی ڈپوزٹ کی اس رقم کو حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس سے پہلے کہ ہم اس حیلہ کی تشریح کریں۔اس بات کی وضاحت کردیں کہ اللہ رب العزّت دل کی نیّتوں کو دیکھتے ہیں۔کسی حرام چیز کو حلال نام دے لینے سے چیز حلال نہیں ہو جائی گی۔ اللہ کی عدالت کوئی ہمارے ملکوں کی عدالت جیسی نہیں ہے جہاں حیلے سازیاں کر کے صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دے دیا جائے۔لہٰذا ایک بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے۔اور سچّائی اور خلوص کے ساتھ معاملہ پر غور کرے۔

بعض حضرات ہیوی ڈپوزٹ میں جواز کی شکل پیدا کرنے کے لیے ایک حیلہ یہ تراشتے ہیں کہ اگر کرایہ بالکل معاف کر دیا ہے تو ہیوی ڈپوزٹ حرام ہے لیکن اگر کرایہ کے نام پر چھوٹی سی رقم ہر مہینے دے دیا کرے تو ہیوی ڈپوزٹ حلال ہے۔

حیلے کا جواب: کرایہ بالکل معاف کر دینے اور کرایہ میں تخفیف کر دینے میں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں سود زیادہ وصول کیا جائے گا اور تخفیف کی صورت میں کم وصول کیا جائے گا۔ کرایہ بالکل معاف کر دینے کی صورت میں جو علّت حرمت کی پائی جاتی ہے وہی علّت (سبب) کرایہ کی تخفیف میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک صورت کو حرام اور دوسری کو حلال کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

ظاہری بات ہے کہ ایک گھر جس کا کرایہ پانچ ہزار ہے اگر مالک مکان ہیوی ڈپوزٹ وصول کرنے کے بعد اس کا کرایہ محض ایک ہزار لے رہا ہے تو بقیہ چار ہزار کسی خیر خواہی اور بھلائی کرنے کے مقصد سے تو معاف نہیں کر رہا

ہے۔کرائے کے بقیہ چار ہزار روپیے جو وہ وصول نہیں کر رہا ہے اس کی وجہ ہیوی ڈپوزٹ کی وہ رقم ہے جو اس نے کرایہ دار سے قرض لی ہوئی ہے۔اور جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ قرض کے بدلہ میں دیا جانے والا یہ نفع ہی سود ہے۔

لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ کرایہ بالکل نہ لینے کی صورت میں مالک مکان پانچ ہزار سود بھر رہا ہے اور ایک ہزار کرایہ لینے کی صورت میں چار ہزار سود بھر رہا ہے۔دونوں صورتوں میں اس فرق کے علاوہ کوئی ایسا فرق نہیں جس کی بنیاد پر کرایہ بالکل معاف کر دینے پر حرام اور کچھ نہ کچھ لے لینے پر حلال کا حکم لگایا جائے۔لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ ڈپوزٹ کے زیادہ یا کم ہونے کا کوئی اثر کرایہ کے کم یا زیادہ ہونے پر نہیں ہونا چاہیے۔

دوسرا حیلہ

بعض حضرت ہیوی ڈپوزٹ حلال کرنے کے لیے ایک دوسرا حیلہ اختیار کرتے۔اس حیلے کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ ڈپوزٹ کی رقم اصلا قرض ہے اور اس قرض کے بدلہ میں رقم لینے والے نے کرایہ دار کے پاس گھر گروی رکھا ہوا ہے۔ اس صورت میں قرض دینے والا کرایہ دار نہیں ہے۔ وہ بس اپنے پاس رکھے رہن (گروی) رکھے ہوئے سامان کو استعمال کر رہا ہے۔اس کے لیے یہ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔اس اشکال کے دو جواب ہمارے پاس ہیں۔

پہلا یہ کہ ہیوی ڈپوزٹ کے معاملہ میں گھر کی حیثیت ''رہن'' کی نہیں ہوتی۔کیونکہ

(۱) اسلامی شریعت میں قرض اصلاً احسان کی ایک شکل ہے۔جس میں قرض دینے والے کی خالص نیّت قرض لینے والے کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہوتی ہے۔قرض لینے والے سے وہ کسی طرح کے دنیاوی مفاد کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ جبکہ ہیوی ڈپوزٹ کی شکل میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرض دینے والا (کرایہ دار) ضرورت مند ہے۔اور قرض (ہیوی ڈپوزٹ) دینے کا مقصد بھی اس ضرورت کو پورا کرنا ہے۔

(۲) اسلامی نظام قرض کے حساب سے قرض پر گروی (رہن) رکھا گیا سامان استعمال کے لیے نہیں ہوتا۔نہ قرض دینے والے کا مقصد اس سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔سامان صرف اس خدشہ کے تحت گروی رکھا جاتا ہے کہ اگر قرض دار نے قرض واپس نہ لوٹایا تو اس کا گروی رکھا ہوا سامان ضبط کر لیا جائے گا۔لیکن ہیوی ڈپوزٹ کی شکل میں ''گھر'' کی حیثیت محض ''رہن'' کی نہیں ہوتی۔ بلکہ گھر قرض دینے والے کی ضرورت ہوتا ہے جو کہ استعمال کرنے کی شرط پر اس نے قرض دیا ہے۔

(۳) ہیوی ڈپوزٹ عام قرض کی طرح ''احسان'' نہیں ''معاوضہ'' کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہاں قرض دینے والا کرایہ دار قرض لینے والے مالک مکان سے شرطیہ نفع کا خواہش مند ہوتا ہے۔

(۴) عام قرض کی صورت میں صرف قرض لینے والا ضرورت مند ہوتا ہے۔ قرض دینے والا ضرورت مند نہیں ہوتا۔ قرض دینے والا سامان صرف اپنی تسکین اور اطمینان کے لیے گروی رکھتا ہے۔ وہ گروی رکھی ہوئی چیز کا خواہش منداور ضرورت مند نہیں ہوتا۔ جبکہ ہیوی ڈپوزٹ کی شکل میں قرض لینے والے کے ساتھ قرض دینے والا بھی ضرورت مند ہوتا ہے۔ قرض لینے والے کو پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو وہ ہیوی ڈپوزٹ کی شکل میں وصول کرتا ہے اور قرض دینے والے کو مفت یا کم کرائے میں گھر کی ضرورت ہوتی ہے جو وہ قرض لینے والے سے حاصل کرتا ہے۔

دوسرا جواب اس حیلے کا یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہیوی ڈپوزٹ میں گھر کی حیثیت ''رہن'' کی ہے تو بھی:

(۱) قرض کے بدلہ میں گروی (رہن) رکھے گئے سامان سے فائدہ اٹھانے کو بھی سود ہی کہا جاتا ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ: فإن أذن الراهن للمرتهن في الانتفاع بغير عوض ، وكان دين الرهن من قرض ،لم يجز ، لأنه يحصل قرضا يجر منفعة ، وذلك حرام. یعنی اگر گروی رکھے ہوئے سامان سے قرض دار نے قرض دینے والے کو استعمال کرنے کی اجازت دے بھی دی ہو تو بھی اس کا استعمال کرنا اس پر حرام ہے کیونکہ یہ قرض کے بدلہ میں حاصل ہونے والا نفع ہے۔ جو کہ حرام ہے۔ [المغنی:۴/۴۳۱]

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گروی رکھی ہوئی چیز کے استعمال کی اجازت صرف اسی صورت میں دی ہے جب گروی رکھی ہوئی چیز پر قرض دینے والا خرچ کر رہا ہو۔ لہذا جتنا وہ گروی رکھی ہوئی چیز پر خرچ کر رہا ہے اتنا خرچ نکالنے کے لیے وہ گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اگر فائدہ خرچ سے زیادہ اٹھا رہا ہے تو زائد استعمال سود شمار ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رہن کے جانور پر اس کے خرچ کے عوض سواری کی جائے اور دودھ دینے والا جانور دوہا جائے اگر وہ گروی ہو''۔ [صحيح البخاری ، كتاب الرہن، باب الرهن مركوب ومحلوب]

حماد بن سلمہ کی روایت اس سے بھی زیادہ صریح ہے۔ جس کے الفاظ ہیں: إِذَا ارْتَهَنَ شَاةً شَرِبَ الْمُرْتَهِنُ مِنْ لَبَنِهَا بِقَدْرِ ثَمَنِ عَلَفِهَا فَإِنِ اسْتَفْضَلَ مِنَ اللَّبَنِ بَعْدَ ثَمَنِ الْعَلَفِ فَهُوَ رِبًّا ۔ ''یعنی اگر کسی کے پاس کوئی بکری گروی رکھی گئی ہو تو وہ جتنا بکری کے چارے پر خرچ کر رہا ہے اتنا ہی اس کا دودھ پی سکتا ہے۔ لیکن اگر چارے

پر جتنا خرچ کیا ہے اس سے زیادہ کا دودھ پیا تو یہ دودھ ''سود'' ہوگا۔'' [فتح الباری لابن حجر، دار المعرفة - بیروت:۵/۱۴۴]

شیخ ابن عثیمین کا فتوی: اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ ''الشرح الممتع'' میں کہتے ہیں:

قرض میں شروط کی مثال جو نفع لائے یہ ہے کہ: ایک آدمی کسی شخص کے پاس آیا اور کہنے لگا ''میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایک لاکھ بطور قرض دو'' تو اس نے کہا ''لیکن میں تیرے مکان میں ایک ماہ رہوں گا'' تو یہاں قرض نے قرض دینے والے کو نفع دیا ہے اور یہ **حرام ہے اور جائز نہیں** کیونکہ قرض میں اصل تو قرض لینے والے پر احسان اور نرمی ہے، لہٰذا جب اس میں شرط آجائے تو یہ معاوضہ میں شامل ہوجائے گا، اور جب بطور معاوضہ ہو تو یہ نقد اور ادھار سود پر مشتمل ہے۔

مثلاً: جب مجھ سے کسی نے ایک لاکھ قرض لیا تو میں نے اس پر یہ شرط لگا دی کہ میں اس کے مکان میں ایک ماہ رہائش کروں گا، تو گویا کہ میں نے ایک لاکھ کو ''مکان میں ایک ماہ کی رہائش کے زیادہ میں'' فروخت کیا، اور یہ مدت کا (ادھار) سود ہے، کیونکہ اس میں عوض کی سپردگی میں تاخیر ہے، اور ربا الفضل ہے کیونکہ اس میں زیادہ ہے۔ لہٰذا اسی لیے علماء کرام کا کہنا ہے کہ ''جو قرض بھی نفع لائے وہ حرام ہے'' [الشرح الممتع:۴/۶۲]

ایک جائز متبادل: مالک مکان کو ایک ساتھ خطیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ضرورت اس کو گھر ہیوی ڈپوزٹ پر اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک جائز متبادل شریعت میں یہ ہے کہ آپ کئی سالوں کا کرایہ ایک ساتھ بڑی رقم کی صورت میں وصول کر کے وہ رقم اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔ اور اس طرح بڑی رقم وصول کرنا اور اس کا استعمال میں لانا آپ کے لیے جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ رقم ڈپوزٹ کی نہیں کرائے کی ہے۔ مثلاً اگر آپ کے گھر کا کرایہ دس ہزار ہے تو آپ تین سال کے حساب سے تین لاکھ، ساٹھ ہزار کرایہ ایک ساتھ وصول کرلیں۔

ایسی صورت میں آپ کرائے میں تخفیف بھی کر سکتے ہیں۔ تاکہ کرایہ دار بھی بڑی رقم دینے کے لیے تیار ہوجائے۔ مثلاً کسی گھر کا کرایہ ماہانہ دس ہزار ہے۔ لیکن مالک مکان کو فوری طور پر بڑی رقم کی ضرورت ہے تو وہ تین سال کا کرایہ بیک وقت لینے کے لیے ساٹھ ہزار کم کر کے تین لاکھ روپئے وصول کرسکتا ہے۔

اللہ رب العزّت سے دعا ہے کہ اللہ حلال سے ہماری ضرورتوں کو پورا کردے اور حرام سے نفرت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ آمین

❁❁❁

زیورات کی خرید وفروخت میں غلطیاں اور شرعی احکام

شعبان بیدارؔ صفاوی

اسلام میں حلال وحرام کا مسئلہ نیت سے جڑا ہوا ہے۔سب سے پہلے ہر شخص کو یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ ''حلال بھی کچھ ہوتا ہے'' اور ''حرام بھی کچھ ہوتا ہے''۔اور ہمارا فرض ہے کہ ہم حرام سے بچیں اور حلال راستے پر چلیں۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں یہی شعور کمزور ہے۔جب اس کانفرنس کا اشتہار نکلا تو کچھ لوگ سوال کرنے لگے کہ اس میں کتنے ''بزنس ایکسپرٹ'' ہیں؟ انہیں تو یہ شعور ہی نہیں کہ کسی کام میں حلال بھی ہوسکتا ہے اور حرام بھی!

یاد رکھیں! معاملات میں اصل اہمیت شریعت کے اصول وضوابط کو جاننے کی ہے۔جو شریعت کے نصوص کو جانے گا، فقہاء کے کلام کو سمجھے گا، اسی کے ذریعے مسائل حل ہوں گے۔

اب آیئے اصل موضوع کی طرف:

زیورات (سونا چاندی) کی خرید وفروخت میں کون سی غلطیاں ہوتی ہیں؟

زیورات کی خرید وفروخت میں سب سے بڑا مسئلہ سود کا ہے۔سود کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ربا الفضل: ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے لین دین میں کمی بیشی کرنا، جیسے سونے کے بدلے سونا یا چاندی کے بدلے چاندی، لیکن وزن یا مقدار میں فرق ہو۔

(۲) ربا النسیئہ: لین دین میں ادھار (قرض) کی وجہ سے سود، یعنی ادھار پر لین دین۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک اہم اصول:

حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور نقد ہونا چاہیے۔اگر یہ چیزیں مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے، لیکن ادھار جائز نہیں۔

لین دین کی چار بنیادی صورتیں ہیں:

(۱) جنس اور قدر ایک ہو: جیسے سونا سونے کے بدلے، برابر اور نقد ہونا ضروری ہے۔

(۲) قدر ایک،جنس مختلف: کمی بیشی جائز ہے،لیکن ادھار جائز نہیں۔

(۳) جنس ایک،قدر مختلف: کمی بیشی جائز ہے،لیکن ادھار جائز نہیں۔

(۴) جنس اور قدر دونوں مختلف: کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

زیورات کی خرید وفروخت کی تین اہم صورتیں:

(۱) سونے یا چاندی کا لین دین کرنسی سے: اس میں کمی بیشی جائز ہے،لیکن ادھار جائز نہیں کیونکہ کرنسی،سونا،اور چاندی کو فقہاء نے ''ثمنی'' (قیمت رکھنے والی چیز) قرار دیا ہے۔

(۲) سونے کا لین دین سونے سے یا چاندی کا چاندی سے: اس میں نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ادھار۔مثال کے طور پر،اگر آپ سونار کے پاس سونا لے کر جاتے ہیں تو وزن برابر ہونا چاہیے اور لین دین نقد ہونا چاہیے۔

(۳) سونے کا لین دین چاندی سے یا چاندی کا سونے سے: اس میں کمی بیشی جائز ہے،لیکن ادھار جائز نہیں۔مثال کے طور پر،ایک تولہ چاندی کے بدلے آدھا تولہ سونا لینا جائز ہے،بشرطیکہ لین دین فوری اور نقد ہو۔

عام غلطیاں اور ان کا حل:

زیورات کی خرید وفروخت میں اکثر غلطیاں انہی تین صورتوں میں ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر:

ادھار پر زیورات خریدنا:

اگر کوئی زیور پسند آجائے لیکن پوری رقم موجود نہ ہو،اور خریدار دکاندار کو جزوی رقم دے کر زیور محفوظ کرنے کو کہے اور باقی رقم بعد میں ادا کرے،تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ ادھار کا لین دین ہے۔(جنس الگ الگ ہے اور معاملہ ادھار کا ہے)

حل: دکاندار سے کہیں کہ زیور محفوظ رکھے،لیکن اسے خریدنے کا معاہدہ نہ کریں۔جب پوری رقم جمع ہو جائے،اس وقت کے موجودہ ریٹ پر زیور خریدیں۔اس طرح ادھار سے بچا جا سکتا ہے۔(پیسہ ہو جانے پر نہ خریدار پرانی قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے نہ بیچنے والا کر سکتا ہے)

پرانا زیور دے کر نیا زیور لینا:

اگر پرانے زیور کا وزن مختلف ہو اور نئے زیور کا وزن مختلف ہو،تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے لین دین برابر وزن کے ساتھ اور نقد ہونا چاہیے۔

حل: پرانا زیور دکاندار کو بیچ کر رقم لیں، پھر اس رقم سے نیا زیور خریدیں۔ اس طرح شرعی طور پر درست لین دین ہوگا۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

اس مسئلے کی تائید میں دیگر احادیث اور دلائل بھی موجود ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں ایک شعور پیدا ہو، خاص طور پر تجارت اور خرید و فروخت کے معاملات میں، حلال و حرام کی پہچان میں اس شعور کی بیداری ہی اصل مقصد ہے، تاکہ ہر شخص یہ سوچے: جو میں کر رہا ہوں، کیا یہ حلال ہے یا حرام؟

علم کے بغیر فتویٰ دینے کی خرابی:

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو صرف دنیاوی تجربے یا چند کتابیں پڑھ کر فتویٰ دینے کا حق حاصل ہے، تو یہ بالکل غلط ہے۔

مسائل کا حل شریعت کے اصولوں میں ہے، نہ کہ صرف تجربات میں۔ اس کے لیے ضروری ہے:

قرآن کا علم۔ حدیث کی معرفت۔ فقہ اور اصولِ فقہ کی سمجھ

الحمد للہ! ہمارے علماء اتنے بے بصیرت نہیں کہ وہ یہ نہ جان سکیں کہ معاشرے میں کیا ہو رہا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم عام لوگ بہت سے اکابر علماء کو نہیں جانتے، جو ان معاملات کے ماہر ہیں۔

ماہر علماء کی طرف رجوع: فقہی مسائل میں ماہر علماء موجود ہیں۔ ان میں سے ڈاکٹر نوح صاحب مدنی اور ڈاکٹر نسیم صاحب مدنی خاص طور پر مشہور ہیں۔

ڈاکٹر نسیم صاحب کی ریسرچ ٹیم بھی ان مسائل پر کام کرتی ہے۔

ہم خود بھی ان علماء سے رجوع کرتے ہیں جب وضاحت درکار ہو۔

لہٰذا، آپ کو بھی معتبر علماء سے رجوع کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ اور عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

ڈیبٹ کارڈ اور کریڈٹ کارڈ کا حکم

شیخ کمال الدین سنابلی حفظہ اللہ

ڈیبٹ کارڈ اور کریڈٹ کارڈ کا حکم' بڑا ہی اہم موضوع ہے اور زیادہ تر لوگوں سے تعلق رکھتا ہے آج کے وقت میں شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ جس کا بینک میں کھاتا نہ ہو، اکاؤنٹ نہ ہو اور اس کے پاس ڈیبٹ کارڈ نہ ہو اور کریڈٹ کارڈ کا اسے آپشن نہ دیا جاتا ہو۔

یہ نہایت ہی اہم موضوع ہے کیونکہ ایک مسلمان کو حلال وحرام میں تمیز کرنا چاہیے مسلمان کا معاملہ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے بلکہ مسلمان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ پابندیوں میں گھرا ہوا ہے، وہ آزاد نہیں ہے، اس کے لیے جو آزادی ہوگی وہ جنت میں آزادی ہے لیکن دنیا میں وہ آزاد نہیں ہے۔ اللہ رب العالمین کے احکام کا وہ پابند ہے۔

ایک مسلمان کو حلال اور حرام ذرائع میں بھی تمیز کرنا چاہیے کہ وہ خرید وفروخت کے جو ذرائع استعمال کر رہا ہے، کمانے کے، کھانے پینے کے جو ذرائع استعمال کر رہا ہے وہ حلال ہیں یا حرام، چونکہ جو شخص حلال وحرام میں تمیز نہ کرے وہ متقی و پرہیز گار نہیں ہوسکتا، حلال وحرام کے درمیان تمیز کرنا یہ تقوے کی نشانی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی سے دریافت کیا گیا، کسی نے کہا کہ آپ زہد کے بارے میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے زہد کے بارے میں کوئی کتاب لکھ دیں؟

تو انہوں نے کہا میں نے ''کتاب البیوع'' تصنیف کر دی ہے، اس سے ان کی مراد یہ تھی میں نے ''کتاب البیوع'' میں حلال وحرام کو بیان کر دیا ہے اور زہد جو ہے وہ حرام سے بچنے کا نام ہے اور حلال چیزوں میں دلچسپی کا نام ہے۔

امام ابن شہاب زہری سے دریافت کیا گیا کہ زہد کی حقیقت کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین حلال عطا فرمائے تو اس میں اللہ رب العالمین کا شکر کرے اور حرام چیزوں میں واقع ہونے سے پرہیز کرے۔

حلال وحرام یہ بڑی ہی اہم چیز ہے، اسی پر انسان کی عبادت اور دعاؤں کا دارومدار ہے، حرام کی وجہ سے انسان کی عبادت اور اس کی دعائیں ضائع ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''کہ حرام سے بچو لوگوں میں تم عبادت گزار بن جاؤ گے''۔

محترم قارئین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بینک سے ملنے والے کارڈ کئی قسم کے ہوتے ہیں، اے ٹی ایم کارڈ ہوتا ہے، ڈیبٹ کارڈ ہوتا ہے، کریڈٹ کارڈ ہوتا ہے۔ اے ٹی ایم کارڈ کا کیا استعمال ہے آپ جانتے ہیں کہ اے ٹی ایم کارڈ صرف جو مشین اے ٹی ایم مشین لے کے دیتی ہے وہاں سے پیسے نکالنے کا کام ہے پھر بینک نے ڈیولپ کیا اور اپنے کسٹمرز کو مزید سہولیات دیں اور بینک نے ڈیبٹ کارڈ جاری کیا، اب آپ کے پاس ڈیبٹ کارڈ آ گیا۔

ڈیبٹ کارڈ کا مطلب یہ ہے کہ بینک میں آپ کی جو رقم رکھی ہوئی ہے آپ اپنے اسی رقم کو استعمال کریں گے، بس فرق یہ ہے کہ جس طریقے سے آپ بینک جا کر پہلے پیسے نکالتے تھے رسید بھرتے تھے اب اس پریشانی سے آپ کو نجات مل گئی اور آپ کہیں بھی کسی بھی اے ٹی ایم مشین سے پیسے نکال سکتے ہیں، ڈیبٹ کارڈ میں پلس یہ کر دیا گیا کہ آپ شاپنگ وغیرہ کرتے ہیں تو اس کے ذریعے شاپنگ بھی کی جا سکتی ہے لیکن پیسہ کہاں سے کٹے گا؟ بینک میں آپ کی جو رقم جمع ہے وہیں سے آپ کا پیسہ کٹے گا تو ظاہر ہے ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم کیا ہے؟

ڈیبٹ کارڈ کا حکم:

ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ جائز ہے، ہماری معلومات میں کسی بھی عالم دین نے ڈیبٹ کارڈ کو حرام قرار نہیں دیا ہے کیونکہ اس میں آپ اپنا ہی پیسہ استعمال کر رہے ہیں دوسرا پیسہ استعمال نہیں کر رہے لہٰذا اس کو ہم زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کریں گے۔

اب آگے چلتے ہیں کریڈٹ کارڈ کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کریڈٹ کارڈ کیا ہے؟ کریڈٹ کارڈ میں کیا نقصانات ہیں؟ اور کریڈٹ کارڈ کا کیا شرعی حکم ہے؟

کریڈٹ کارڈ کیا ہے؟

کریڈٹ کارڈ یہ ہے کہ بینک نے ایک کارڈ آپ کو فراہم کیا اور اس میں آپ کو یہ سہولت دی کہ آپ کچھ شاپنگ کرنا یا کہیں بل ادا کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں، بینک یہ کہتی ہے ہم آپ کی طرف سے پیسے فی الحال ادا کر دے رہے ہیں، آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں پیسے ہم سے لو، بیوی کو شاپنگ کرواؤ، بچوں کو شاپنگ کرواؤ، اسکول فیس بھرو اور دوسرے کام جو آپ کو کرنے ہیں کرو ہم آپ کو پیسہ دے رہے ہیں پھر آپ ہمیں دیتے رہنا۔

تو کریڈٹ کارڈ کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ آپ بینک سے پیسہ اٹھاتے ہیں بینک سے پیسہ قرض لیتے اب بینک یہ

کہتا ہے کہ آپ ہمیں یہ پیسہ دے دینا ۵۰ دن میں یا ۴۰ دن میں، الگ الگ طرح کے کارڈ پر الگ الگ بینک کا الگ الگ نظام ہوتا ہے، اچھا اگر اتنے دن میں آپ ہمیں پیسہ واپس نہیں کر سکے تو اس کے بعد آپ ہمیں سود سمیت پیسہ واپس کرنا، اور اس میں اچھا خاصا سود ہوتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم:

کریڈٹ کارڈ کی تفصیل ۔جیسا کہ کریڈٹ کارڈ کی تفصیل ہی سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم جو ہے وہ یہ ہے کہ سود کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہے۔

کیونکہ سود میں یہی تو ہوتا ہے کہ ہم نے قرض لے لیا اور ہم قرض سود کے ساتھ لوٹائیں گے، جو سود پر قرض دینے والے ہوتے ہیں وہ سود کے ساتھ اپنی رقم کو واپس لیتے ہیں تو اس میں سود پایا جاتا ہے،سود پائے جانے کی وجہ سے کریڈٹ کارڈ حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔

بعض علماء نے انتہائی مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دی ہے، یہ بات اختلاف کی نوعیت یا بعض علماء کی رائے رکھنے کی حیثیت سے بیان کی جا رہی ہے یعنی کہ آپ عمل کریں اور علمائے دیوبند میں سے بھی بعض نے مجبوری کی قید لگا کر اجازت دی ہے، دلیل یہ دیا کہ اس کے تعلق سے فتویٰ انسان اپنے دل سے پوچھے کہ وہ مجبور ہے یا نہیں ہے کہ بہت سارے کام ایسے ہوتے ہیں کہ بنا کریڈٹ کے آپ نہیں کر سکتے تو یہ بعض علماء کی رائے ہے۔

لیکن راجح اور بہتر یہی ہے کہ کریڈٹ کارڈ کا انسان استعمال نہ کرے اور ایسی کیا کس کی مجبوری ہو سکتی ہے اگر کوئی چیز ایسی ہے جو وہ کریڈٹ کارڈ کے بغیر نہیں لے پا رہا تو نہ لے، اپنے ایمان کو بچا کر رکھے اور اللہ رب العالمین کی رضا کی جستجو کر کے اس چیز سے بچ جائے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وہ اس سے بچ جائے۔

کریڈٹ کارڈ کے نقصانات کیا ھیں؟

کریڈٹ کارڈ آپ کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے، کریڈٹ کارڈ اگر آپ نے بینک سے لیا اور اس کی بنیاد پر آپ نے شاپنگ کر لی یا آپ نے بینک سے اماؤنٹ لے لیا تو سمجھیے کہ آپ اس سود کے بہت بڑے جال میں پھنس چکے ہیں۔

آئیے کریڈٹ کارڈ کے نقصانات آپ کے سامنے رکھ دیں:

(۱) سب سے پہلا اور سب سے بڑا نقصان تو یہی ہے کہ اس میں سود پایا جاتا ہے اور سود لینے والوں کے

بارے میں اور سود دینے والوں کے بارے میں اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ ہے۔

(۲) بعض لوگ کہیں گے کہ بینک نے جو ہمیں لمٹ دی ہے ۵۰ دن کی تو ہم کیا کریں گے کہ اسی ۵۰ دن کے اندر بینک کا قرض ہم ادا کردیں گے تو اس میں ہم نے سود تو نہیں دیا ۵۰ دن کے اندر ہم ادا کردیں گے، جیسا کہ جن علماء نے یہ بات کہی ہے کہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے تو انہوں نے ساتھ میں یہ بھی کہا ہے کہ جبکہ اس کو یقین ہو کہ اتنی مدت میں میں بینک کا قرض ادا کردوں گا اور اس کو اپنے او پر یقین ہو کہ میں اتنے دن میں بینک کا یہ قرض ادا کردوں گا تو وہ بحالت مجبوری استعمال کرسکتا ہے تو یہ بہت سارے لوگوں کے ذہن میں ہوتا ہے کہ بھائی ہم ۵۰ دن میں ادا کردیں گے ہم سود لیں گے ہی نہیں، لیکن اس میں ایک چیز یہ ہے کہ آپ متعینہ مدت میں رقم تو ادا کردے رہے ہیں لیکن جب آپ کا معاہدہ ہوا بینک سے اور آپ کریڈٹ کارڈ لینے گئے یا کریڈٹ کارڈ وہ آپ کو دینے آئے تو جب آپ سائن کرتے ہیں تو اس میں جو شرائط ہوتے ہیں اس میں آپ معاہدہ اس چیز پر کرتے ہیں کہ ۵۰ دن میں اگر میں رقم ادا نہیں کرسکا تو میں سود دوں گا تو سود پر آپ معاہدہ کرتے ہیں سود دینے پر رضامندی کا اظہار کرتے ہیں تو یہ ڈیل ہی کینسل ہوگئی، یہ ڈیل خراب ہوگئی جس ڈیل میں حرام شرط موجود ہو وہ انویلڈ ہے۔

تو آپ کا رضامند ہونا کہ میں سود ادا کروں گا یہ بھی حرام ہی کے درجے میں آتا ہے تو ۵۰ دن میں اگر آپ نے ادا کر دیا تو سود دینے کا گناہ تو آپ کو نہیں ملے گا سود دینے کا وہ گناہ تو نہیں ملا لیکن آپ نے اس شرط پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اس کے مطابق گناہ آپ کو ضرور ملے گا۔

(۳) کریڈٹ کارڈ میں فضول خرچی ہے، آپ کے پاس کیش ہوتا ہے یا آپ کے پاس ڈیبٹ کارڈ ہوتا ہے تو اس کے ذریعے جب آپ خریداری کرتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ میرے اکاؤنٹ میں اتنا پیسہ ہے یا میری جیب میں اتنا پیسہ ہے اور میں اتنی شاپنگ کروں یا اتنا خرچ کروں، پورا مہینہ مجھے چلانا ہے لہٰذا مجھے کس طریقے سے سمجھداری سے اپنے اس خرچ کو پورے مہینے تک لے جانا ہے ٹھیک ہے نا یہ تمام چیزیں ذہن میں آتی ہیں جب ہمارے پاس سے رقم جاتی ہے۔

کریڈٹ کارڈ میں یہ ہوتا ہے کہ ۵۰ دن میں ادا کرنا ہے تو کوئی بات نہیں یہ بھی لے لو کیونکہ آپ کے دماغ میں کیا ہے کہ ۵۰ دن میں آرام سے ادا کردوں گا تو کریڈٹ کارڈ جو ہے وہ فضول خرچی کا راستہ دکھاتا ہے اور اللہ رب العالمین نے قران مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا﴾ ’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے گا‘‘۔[الاسراء:۲۹]

یعنی نہ تو اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لو یعنی بالکل بخیلی اور کنجوسی اختیار کرو خرچ ہی نہ کرو گھر والوں پر اور نہ ہی اپنے ہاتھوں کو ایک دم کھول دو یعنی خوب فضول خرچی کرنے لگو ایسا بھی مت کرو کہ پھر تم قابل ملامت اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔لیکن کریڈٹ کی وجہ سے انسان فضول خرچی کرتا ہے۔

(۴) کریڈٹ کارڈ پر سے خرچ کی گئی رقم اگر متعینہ وقت میں آپ نہیں ادا کر پاتے تو سود دیتے ہیں، کچھ بینک ڈھائی پرسنٹ، کچھ تین پرسنٹ، کچھ ساڑھے تین پرسنٹ، کچھ چار پرسنٹ بھی لیتی ہیں بلکہ کچھ بینک میں تو اگر متعینہ مدت میں آپ ادا نہیں کر پائے تو ایک تو آپ سود دے رہے ہیں اور پھر جو سود بھرنا ہے نا اس پر بھی سود لگے گا اگر ادا نہیں کر پائے تو آگے جو سود آپ کا بڑھتا جا رہا ہے اس پر بھی پلس سود لگتا چلا جائے گا۔

(۵) کریڈٹ کارڈ اگر کھو گیا تو آپ کی گردن پر قرض کا بہت بڑا بوجھ پڑ سکتا ہے کیونکہ اس کھوئے ہوئے کارڈ سے کوئی بھی شخص آپ کا کریڈٹ کارڈ استعمال کر کے لاکھوں کی شاپنگ کر لے گا اور وہ سارا آپ کو ادا کرنا پڑے گا کیونکہ بینک میں ایڈریس پروف سب کچھ آپ کا درج ہے۔

اب آپ کے ذہن میں ایک بات آ رہی ہوگی کہ بھائی او ٹی پی چاہیے اگر ہم کوئی شاپنگ کرتے ہیں کارڈ سے تو ہمارے پاس او ٹی پی بھی آتا ہے تو موبائل تو ہمارے پاس ہے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ جب آپ اپنے ملک میں شاپنگ کرتے ہیں تو او ٹی پی آتا ہے لیکن جب آپ انٹرنیشنل سائٹس پر جا کر شاپنگ کرتے ہیں تو وہاں او ٹی پی کی ضرورت نہیں پڑتی وہاں پر کارڈ پر جو ۱۶ نمبرات ہوتے ہیں وہ اور سی وی نمبر دیتے ہیں اور ایک جھٹکے میں کوئی بھی شخص آپ کے کریڈٹ کارڈ سے تقریباً تین لاکھ تک کی شاپنگ کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کی گردن پر ایک بھاری قرض پڑ جائے گا۔

(۶) اگر آپ کریڈٹ کارڈ کو کیش کہ ۵۰ ہزار نکال لوں اور یہ معلوم ہے کہ انسان بڑا کمزور ہے اس کے پاس جب مجبوری ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یار کوئی بات نہیں چلو نکال لیتے ہیں اگر اس کے پاس آپشن نہیں ہوگا تو وہ صبر کیے رہے گا اور پریشانیاں اٹھالے گا لیکن آپشن ہے تو وہ کمزور ہے کہ چلو استعمال کر لیتے ہیں تو اگر آپ کیش کر لیتے ہیں ایک لاکھ ڈیڑھ لاکھ دو لاکھ اتنا روپیہ کریڈٹ کارڈ سے نکال لیتے ہیں تو اس پر سود کی شرح اور بڑھ جاتی ہے شاپنگ میں تھوڑی کم رہتی ہے لیکن اس پر سود کی شرح تھوڑی سی اور بڑھ جاتی ہے، ایک اور بات کہ جب شاپنگ کرتے ہیں تو ۵۰ دن کی

جو مدت ملتی ہے کیش کرنے پر وہ مدت بھی ختم ہو جاتی ہے اور پہلے ہی دن سے آپ پر سود لگنا شروع ہو جاتا ہے۔

(۷) کریڈٹ کارڈ کا سالانہ چارج بھی کیا جاتا ہے کچھ بینک ۵۰۰ کچھ ہزار بعض بینک پانچ ہزار تک چارج کرتے ہیں۔

(۸) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تو کریڈٹ کارڈ فری میں ملا ہے تو دیکھیے بینک اپنے کسٹمر کو پھنسانے کے لیے بہت کچھ کرتی ہے کیش بیک والا جو سسٹم ہے اس میں بھی گراہک کو پھنسایا جاتا ہے ۵۰۰ روپے کیش بیک ملے گا ۲۰۰۰ روپے کیش بیک ملے گا تو آپ کو وہ کیش بیک دیتے ہیں وہ رقم معمولی ہوتی ہے اس پر جو سود وصول کرتے ہیں وہ بھاری ہوتا ہے تو وہ اپنی طرف کھینچنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کیش بیک ملے گا اور اس پہ بھی لمٹ لگا دیتے ہیں اتنے شاپنگ کرو آپ کے پوائنٹس جمع ہو رہے ہیں پھر آپ کو یہ فائدہ اس کو ان چیزوں میں استعمال کر سکتے ہو تو ایک طرف سے بڑھاتے ہیں کہ اور آگے اور آگے گناہ کی طرف تھوڑا اور بڑھو تھوڑا اور بڑھو، کچھ لوگ کہیں گے کہ ہمیں جو کارڈ ملا ہے وہ فری ملا ہے لیکن آپ دیکھ لیجیے ٹرمز اور کنڈیشن اس کی جو ہوتی ہیں کار جو فری ملتا ہے وہ صرف ایک سال کے لیے فری ہوتا ہے ایک سال کے بعد پھر اس پر چارج لگنا شروع ہو جاتا ہے تو یہ بھی بینک کا ایک مغالطہ دینے کا انداز ہے کہ بس فری کارڈ ہم دے رہے ہیں ایک سال کے بعد وہ چارج لیتے ہیں۔

(۹) ایک بڑی اہم چیز اگر کریڈٹ کارڈ سے آپ اوور لیمٹ شاپنگ کر لیتے ہیں جو بینک نے آپ کو لمٹ دی ایک لاکھ کی ۵۰ ہزار کی تین لاکھ کی جو بھی اس سے زیادہ کبھی ہوتا ہے کبھی ۵۰ ہزار کی شاپنگ کر رہے ہیں ۵۵ کی بھی ہو جاتی ہے ایک لاکھ بینک نے لمٹ دی ہے آپ نے کہا یار ایک لاکھ ۱۰ ہزار کی کر لیں بینک کے اندر کوئی بات نہیں بھیا کر لو ایک لاکھد ہزار کی شاپنگ کر لو لیکن یہ اوور لیمٹ جو گیا نا اس پر اتنا سود لگتا ہے کہ آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے، بھولے پن میں کبھی ان چیزوں میں پھنس نہیں جانا اس پر ایک تو سود کی شرح بڑھ جاتی ہے اور ۱۸ پرسنٹ جی ایس ٹی بھی لگتی ہے۔

اسی وجہ سے کتنے نوجوان ایسے ہیں جو ملازمت صرف کریڈٹ کارڈ کا سود ادا کرنے کے لیے کر رہے ہیں ان کی زندگی اسی میں پھنس کر رہ گئی کیوں کر رہے ہیں کہ یار قسطیں بھریں گے، کھانا پینا چلتا رہے اور قسطیں ہر مہینے وہ کریڈٹ کارڈ کی بھر رہے ہیں۔

محترم قارئین! اپنے آپ کو حرام سے بچائیے اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اہل ایمان کو حلال ذرائع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور حلال کھانے پینے کا حکم دیا ہے، مسلم شریف کی حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: {يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا، إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ} [المؤمنون:٥١] وَقَالَ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ} [البقرة:١٧٢] ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ، يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟ "[صحيح مسلم:١٠١٥]

اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا: اے لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے اور اللہ نے اہل ایمان کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا، رسولوں کو بھی حکم دیا حلال کھاؤ، اہل ایمان کو بھی حکم دیا حلال کھاؤ پھر اللہ کے نبی علیہ الصلو ۃ والسلام نے ایک آدمی کا ذکر کیا وہ لمبا سفر کرتا ہے حالت اس کی یہ ہے کہ غبار آلود ہے پریشان ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ: اے میرے رب! اے میرے رب! یعنی اس کے تمام اوصاف اس کی تمام کیفیات اور اس کی ہیئت ایسی ہے کہ اللہ کو اس کی دعا جلدی قبول کرنی چاہیے سفر میں ہے اور سفر میں اللہ جلدی دعا قبول کرتا ہے پریشان حال ہے پتہ چلتا ہے پریشان حال ہے۔

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾

’’بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو‘‘[سورة النمل:٦٢]

پریشان حال کی اللہ دعا جلدی قبول کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور ہاتھ اٹھانا یہ دعا کی قبولیت کے چانس اس میں بڑھ جاتے ہیں اسی طریقے سے گریہ وزاری کر رہا ہے یعنی تمام چیزیں اس میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اللہ اس کی دعا کو جلدی قبول کرے لیکن ساتھ ہی اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اس کا پینا حرام ہوتا ہے اس کا لباس حرام ہوتا ہے اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا پھر اللہ اس کی دعا کیسے قبول کر سکتا ہے۔

ایمان کو بچا کر رکھیے، اپنی عبادتوں کی حفاظت کیجیے، اپنی دعاؤں کی حفاظت کیجئے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں حلال ذرائع کا استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قسطوں میں خرید وفروخت کے مسائل

شیخ سرفراز فیضی حفظہ اللہ

''قسطوں میں خرید وفروخت کے مسائل''، جسے آج کل عام زبان میں ''ای ایم آئی (EMI)'' پر خریداری کہا جاتا ہے۔

''ای ایم آئی'' کا مطلب ہے:Equated Monthly Installments، یعنی کسی سامان کو قسطوں میں خرید کر ایک طے شدہ مدت تک ہر ماہ ایک متعین رقم ادا کرنا۔ اسے فقہی اصطلاح میں ''بیعِ تقسیط'' کہا جاتا ہے۔

بیعِ تقسیط کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں، اور ہر صورت کا حکم اور شرطیں مختلف ہیں۔

پہلی صورت: نقد اور قسطوں کی قیمت میں کوئی فرق نہ ہو۔ مثال: ایک موبائل کی قیمت ۲۰ ہزار روپے ہے۔ اگر نقد خریدا جائے تو بھی ۲۰ ہزار۔ اگر قسطوں میں خریدا جائے اور ہر ماہ دو ہزار ادا کئے جائیں تو ایسے بھی ۲۰ ہزار۔

حکم: یہ صورت ''جائز ہے''، بشرطیکہ چند شرائط پوری کی جائیں۔

دلائل: (۱) **اصولی قاعدہ:** شریعت میں ہر بیع اصلاً حلال ہے، جب تک اس کے حرام ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔

جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ ''اللہ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا''۔

(۲) **نصوص سے ثبوت:** نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامان قسطوں پر خریدا اور قیمت بعد میں ادا کی۔

ایک واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے اناج خریدا اور اپنی زرہ گروی رکھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو قسطوں پر خرید کر آزاد کیا۔

شرطیں: (۱) سونا، چاندی اور کرنسی قسطوں پر نہ خریدی جائے۔ ان اشیاء میں صرف ہاتھوں ہاتھ لین دین جائز ہے۔

(۲) تاخیر پر اضافہ نہ ہو۔ اگر قسط وقت پر ادا نہ کی گئی تو جرمانہ، لیٹ فیس یا اضافی رقم لینا ''سود'' ہے، جو حرام ہے۔

(۳) ڈیل براہِ راست خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان ہو۔ اگر بینک یا فائنینس کمپنی قرض دے کر سامان دلاتی ہے اور زیادہ رقم لیتی ہے تو یہ سودی معاملہ ہے۔

دوسری صورت: نقد اور قسطوں کی قیمت میں فرق ہو۔ مثال: نقد قیمت: ۴۰ ہزار۔ قسطوں پر قیمت: ۴۴ ہزار۔

حکم: یہ صورت بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ڈیل کے وقت ایک قیمت فائنل ہو جائے۔

دلائل: (۱) ائمہ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ (۲) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

شبہات اور جوابات:

(۱) سود کا شبہ: یہ سود نہیں، کیونکہ یہاں قرض نہیں دیا جارہا بلکہ سامان بیچا جارہا ہے۔ جتنا طے ہوا ہے اتنا ہی ادا کیا جارہا ہے۔

(۲) ایک بیع میں دو بیع کا شبہ: اگر عقد کے وقت واضح نہ ہو کہ سامان نقد لیا جارہا ہے یا قسطوں پر، تو معاملہ باطل ہوگا کیونکہ قیمت مجہول ہے۔ لیکن اگر عقد کے وقت ہی فائنل کر دیا جائے تو یہ جائز ہے۔

شرطیں:

(۱) سونا، چاندی اور کرنسی قسطوں میں نہ خریدی جائیں۔

(۲) ایک بار جو قیمت طے ہو جائے، اس پر کوئی اضافہ نہ ہو۔

(۳) تاخیر پر جرمانہ یا لیٹ فیس نہ ہو۔

(۴) عقد کے وقت واضح ہو کہ خریداری نقد ہے یا قسطوں پر۔

ہندوستان کے تناظر میں:

ہندوستان میں تقریباً تمام فائنینس کمپنیاں (جیسے بجاج فائنَنس وغیرہ) یہ شرط لگاتی ہیں کہ اگر قسط وقت پر نہ دی گئی تو اضافی رقم (پینلٹی/لیٹ فیس) ادا کرنی ہوگی۔

نتیجہ: چونکہ یہ شرط سودی ہے، اس لیے ہندوستان میں "زیرو کاسٹ ای ایم آئی" یا دیگر اقساطی اسکیمیں شرعاً ناجائز ہیں۔

اگر چہ خریدار وقت پر قسط ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو، لیکن چونکہ ڈیل کے وقت سودی شرط قبول کی گئی ہے، اس لیے یہ معاہدہ باطل اور حرام ہے۔

خلاصہ:

(۱) قسطوں پر خرید و فروخت اصلاً جائز ہے۔

(۲) اس کے جواز کے لیے چار شرطیں لازمی ہیں:

* سونا، چاندی اور کرنسی قسطوں پر نہ خریدی جائے۔
* قیمت طے ہونے کے بعد اضافہ نہ کیا جائے۔
* تاخیر پر جرمانہ یا لیٹ فیس نہ ہو۔
* عقد کے وقت نقد یا ادھار کی صورت واضح ہو۔

(۳) ہندوستان میں رائج زیادہ تر ای ایم آئی اسکیمیں ان شرائط کے خلاف ہیں، لہٰذا ناجائز ہیں۔

”آن لائن بزنس ڈراپ شپنگ اور ایفلیٹ مارکیٹنگ کا شرعی حکم کیا ہے“؟

شیخ ظہیرالدین سنابلی حفظہ اللہ

اللہ رب العالمین سورۃ النساء میں فرماتا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو“۔[النساء:۵۹]

یہ اطاعت وفرمانبرداری زندگی کے ہر گوشے میں ہم پر لازم اور ضروری ہے، اللہ رب العالمین سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾”اے ایمان والو!تم پورے کے پورے طور پر اسلام میں داخل ہوجاؤ“۔[البقرۃ:۲۰۸]

ایک اور مقام پر اللہ فرماتا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾”اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں پکاریں“۔[الانفال:۲۴]

ہماری زندگی کا ایک اہم ترین حصہ کسب معاش ہے اس میں بھی ہم اللہ رب العالمین اور اس کے رسول کی پابند ہیں۔

اللہ رب العالمین نے قرآن میں ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾”اے ایمان والو!تمہیں جو ہم نے پاکیزہ روزی عطا کی ہے اس میں سے کھاؤ“۔[البقرۃ:۱۷۲]

اس قدر حساس مسئلہ ہے کہ رزق اور روزی کی تلاش کو عمل صالح کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ اللہ رب العالمین نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾”اے رسولو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو“۔[المومنون:۵۱]

تقریباً اسی مفہوم کی ایک اور آیت ہے جس کے اندر اللہ رب العالمین نے کسب حلال کو واضح انداز میں ذکر کیا ہے، اللہ رب العالمین نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾”اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ روزی ہے وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو“۔[البقرۃ:۱۶۸]

مجھے جس موضوع پر اپنی بات پیش کرنی ہے وہ ہے:”آن لائن بزنس اور ایفلیٹ مارکیٹنگ کا شرعی حکم کیا ہے“؟

تو سب سے پہلے ہم یہ جو تین چیزیں ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور اس کے متعلق شریعت کا حکم کیا ہے یہ حلال ہے کہ حرام ہے یا کنڈیشن کیا ہے اس کو جاننے کی کوشش کریں گے۔

آن لائن بزنس کیا ہوتا ہے؟ آن لائن کاروبار وہ کاروبار جو الیکٹرانک ذریعے سے انجام پاتا ہے دوسرے الفاظ میں انٹرنیٹ کے ذریعے سے جو بھی کاروبار انجام پاتا ہے یا اس میں سے زیادہ تر حصہ انجام پاتا ہے اس کو"آن لائن بزنس" کہا جاتا ہے۔

آن لائن بزنس کی بہت ساری شکلیں ہیں وہ شکلیں جاننے کے لیے کئی ایسے دروس درکار ہیں اور باقاعدہ لوگوں کو اہتمام کرنا چاہیے اور مساجد کے اندر بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ مستقل طور پر یہ جو موجودہ دور کے آن لائن بزنس ہیں یا مختلف بزنس کے جو طریقے ہیں ان طریقوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں لوگوں کو سمجھایا جائے۔ تاکہ لوگوں کو کم سے کم اتنا پتہ چلے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس لیے کہ حلال اور حرام کی تمیز کرنا یہ ہمارا دینی فریضہ ہے، اگر ہم حلال اور حرام کے درمیان تمیز نہیں کرتے ہیں تو ایسی شکل میں ہمارے اعمال برباد ہو سکتے ہیں، اسی طرح سے آخرت بھی برباد ہوگی، اس لیے ضروری یہ ہے کہ اس مسئلے میں ہم شریعت کی مکمل طور پر جانکاری حاصل کریں اور پھر آگے کاروبار کرنے کی کوشش کریں، جو بھی خرید وفروخت ہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ شریعت کے مطابق ہو۔

کچھ اصولی باتیں ہیں کہ انہیں اگر آپ سمجھ لیں تو اس کی تمام شکلوں کو سمجھنے میں آپ کے لیے بڑی آسانی ہوگی اور یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں، پانچ باتیں یہاں ذکر کی جا رہی ہیں:

(۱) پہلی بات یہ کہ ایک تو خریدنے والا ہوتا ہے اور دوسرا بیچنے والا ہوتا ہے تو دونوں کے درمیان آپسی رضامندی ہونی چاہیے اور یہ کاروبار کی شرطوں میں سے ہے، اللہ رب العالمین نے فرمایا:﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾"اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ وہ تجارت کی شکل میں ہو آپس کی رضامندی سے"۔[النساء:۲۹]

تجارت کے ساتھ ساتھ اللہ رب العالمین نے عَنْ تَرَاضٍ کہا کہ آپس کی رضامندی ہونی چاہیے۔

اور اللہ کے نبی ﷺ کی ایک حدیث بھی ابن ماجہ کی ہے اور وہ یہ حدیث ہے: آپ ﷺ فرماتے ہیں: (إِنَّمَا البَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ) کہ خرید وفروخت رضامندی سے ہی ہوتی ہے، اس لیے کہ اگر کسی کو بیچنے یا خریدنے پر مجبور کیا جائے تو پھر ایسی شکل میں وہ خرید وفروخت واقع نہیں ہوگی، اس وجہ سے یہ رضامندی کی بات کہی جاتی ہے۔

(۱) تو پہلی چیز یہ ہے کہ بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان رضامندی ہونی چاہیے۔

(۲) دوسری بات جو سامان بیچا جا رہا ہو بیچنے والے کی ملکیت میں موجود ہو یہ بھی تجارت کی شرطوں میں سے ہے، آن لائن میں بہت ساری شکلیں ایسی ہوتی ہیں کہ بیچنے والے کے پاس سامان نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ سامان اسٹور والے کے پاس ہے یا کمپنی کے پاس ہے یا دوکانوں پر سامان رکھا ہوا ہے اور یہ بندہ خریدنے والے سے خرید وفروخت کا

عقد کرلیتا ہے تو ہوتا یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی سامان ہوتا ہی نہیں ہے اور وہ بیچ دیتا ہے تو یہ شکل جائز ہی نہیں ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: جو سامان تمہارے پاس نہ ہو اس کو تم نہ بیچو یعنی تمہاری ملکیت میں اور ملکیت کے اندر قبضہ بھی ہے کہ باقاعدہ آپ اس پر مکمل طور پر قبضہ رکھتے ہوں۔

وہ آپ کے پاس باقاعدہ موجود ہو یا تو حقیقی اعتبار سے قبضہ ہو یا پھر حکمی اعتبار سے قبضہ ہو لیکن وہ سامان آپ کی ملکیت میں ہونا چاہیے تب جا کر کے آپ وہ سامان بیچ سکتے ہیں۔

(۳) تیسری بات جو سامان آپ بیچ رہے ہوں وہ حرام نہ ہو اس لیے کہ حرام چیز نہیں بیچی جاسکتی۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ''اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ''۔[النساء:۲۹]

تو یہ حرام سامان اگر بیچا جائے گا تو یہ بھی باطل طریقے سے کھانا ہوا اور یہ جائز نہیں ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت ہے، اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العالمین جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام قرار دیتا ہے تو اس چیز کی قیمت بھی حرام ہے۔

مثلاً خنزیر کا گوشت حرام ہے تو خنزیر کی قیمت بھی حرام ہے، شراب پینا حرام ہے تو شراب بیچنے کے ذریعے سے جو قیمت آئے گی وہ قیمت بھی حرام ہے، تو یہاں پر ضروری یہ ہے کہ جو سامان بیچا جارہا ہو وہ حلال ہو حرام نہ ہو۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ جو خرید و فروخت ہو رہا ہو اس کے اندر دھوکہ نہ پایا جائے اور آن لائن بزنس میں دھوکے کے بہت سارے امکانات رہتے ہیں، اسی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ: آن لائن بزنس کے اندر بہت زیادہ حساسیت کے ساتھ اور مکمل جانکاری کے ساتھ ہی انسان کو خرید و فروخت کرنا چاہیے کیونکہ اس کے اندر زیادہ تر جو معاملہ ہوتا ہے وہ دھوکے والا ہی ہوتا ہے۔صحیح مسلم کی روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کے ذریعے سے خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح سے دھوکے کے خرید و فروخت کو حرام قرار دیا۔

مثال کے طور پر سامان رکھا ہوا ہے، اب کوئی کہے کہ ایسے سامان پہ کنکری مارو تو تمہارا یہ سامان ہو جائے گا اس کی اتنی قیمت ہے کبھی لگا تو ٹھیک ہے نہیں لگا تو سامان اس کا ہے ہی نہیں، تو یہ جو شکلیں جو ایک شکل ہے اس لیے اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

کسی بھی قسم کا دھوکا ہو تو نبی ﷺ نے اس کے تعلق سے فرمایا: جو ہمیں دھوکہ دے ہم میں سے نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ سامان بیچتے وقت دھوکہ نہیں دے سکتے تو آن لائن بزنس میں بھی یہ چیز ہے کہ سامان کے

حوالے سے ذرہ برابر بھی دھوکے کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔

(۵) پانچویں چیز اور بہت اہم ترین چیز ہے وہ یہ ہے کہ خرید وفروخت کے اندر سود کا دخل نہ ہو ذرہ برابر نہیں، ابھی سود کی اتنی ساری شکلیں آ گئی ہیں کہ لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ سود کی کون کون سی شکلیں اس کے اندر موجود ہیں، خرید و فروخت کرنے میں، پیسہ کا لین دین کرنے میں، اسی طرح سے ٹرانزیکشن کرنے میں اور اسی طرح سے ادھاری پر لینے میں بھی بہت ساری سود کی شکلیں شامل ہو جاتی ہیں، اس لیے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ جو بھی خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا ہے سود سے مکمل طور پر وہ پاک ہو۔

یہ پانچ بنیادی باتیں آپ یاد رکھیں، موجودہ زمانے میں بہت ساری کمپنیاں ہیں جو آن لائن بزنس کرتی ہیں اور اس کی مختلف شکلیں ہیں، عام طور پر جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ:

کمپنی ڈائریکٹ بیچنے والے کے طور پر ہوتی ہے اور ایک کسٹمر ہوتا ہے جو خریدتا ہے۔

جو کچھ تفصیل بتائی گئی اگر اس کے مطابق یہ بیع وشراء کا عقد منعقد ہوتا ہے تب تو جائز ہے ورنہ پھر جائز نہیں ہے، البتہ اس کے اندر کچھ تفصیل ایسی ہے، مثال کے طور پر کہ سامان ابھی آپ کو ملا نہیں ہے آپ نے پہلے ہی پیسہ دے دیا تو یہ جائز شکل ہے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ جبکہ دھوکہ والی بات نہ پائی جائے آپ کو پورا یقین ہو تو ایسی بہت ساری کمپنیاں ہیں جو بہت معروف اور مشہور ہیں اور جس کے بارے میں لوگوں کو باقاعدہ ٹرسٹ ہے اس کمپنی سے یہ سامان خریدا جائے تو یقینی طور پر وہ سامان آتا ہی ہے پہلے آپ قیمت طے کر دیتے ہیں یہ آپ پے کر دیتے ہیں تو بھی آپ کا سامان آجاتا ہے اور کمپنی کے اندر یہ شکل بھی رکھی جاتی ہے کہ: سامان آپ کے پاس باقاعدہ آجائے اور ہاتھوں ہاتھ پھر آپ پیسہ دے کر کے وہ سامان لے لیں تو یہ تو اور بھی بہت اچھی شکل ہے، اس کے اندر دھوکے والی کوئی بات ہی نہیں ہوتی ہے کہ جو سامان اس کیفیت کے ساتھ جس کیفیت کے ساتھ آپ کو مطلوب ہے آپ کے پاس پہنچا ہے تو آپ پیسہ دے کر کے وہ سامان لے لیں، ورنہ واپس کرنے کا آپ کے اختیار میں بھی ہو تو پھر ایسی صورت میں یہ جائز شکل ہوگی۔

ڈراپ شپنگ کیا ہے؟ مثال کے ذریعے سے تین لوگ ہوتے ہیں ایک خریدنے والا، ایک بیچنے والا اور بیچ میں ایک وسیلے کے طور پر ہوتا ہے یہ جو بیچ میں ڈراپر کے طور پر ہوتا ہے یہ کرتا کیا ہے کہ کمپنی والے سے بات ہو جاتی ہے اس کا سامان کمپنی کا سامان اور سامان جو پروڈکٹ ہے اس کی صفات کو اپنے کسی نیٹ ورک یا ایپ کے ذریعے سے یا مختلف سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز کے ذریعہ لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر کرتا ہے، بیچنے والے سے وہ 200 روپے میں خریدتا ہے حالانکہ ابھی خریدا نہیں ہے وہ یہ ہے کہ صرف ایڈورٹائزمنٹ کے طور پر وہ لگاتا ہے کہ یہ تین سو روپے قیمت

ہے 100 روپے اپنے پاس رکھتا ہے 200 روپے کمپنی کو دے دیتا ہے تو اس کے اندر یہ جو شکل ہے کہ ایک بیچنے والا ہے، دوسرا خریدنے والا ہے اور تیسرا یہ بیچنے والے کی حیثیت سے موجود ہوتا ہے کمیشن کھانے والے کی حیثیت سے نہیں بلکہ بیچنے والے کے اعتبار سے موجود ہوتا ہے تو شریعت کے اندر یہ شکل جائز نہیں ہے اور جائز نہ ہونے کی جو دلیل ہے وہ جو پانچ باتیں میں نے ذکر کی ہیں ان میں سے ایک بات تو یہ پائی جاتی ہے کہ اس کے پاس اس سامان کی ملکیت ہی نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا کہ اس کا مالک ہونا چاہیے اور یہاں وہ مالک ہی نہیں ہے بلکہ وہ بیچ رہا ہے بیچنے والے کو اور بیچنے والا جو سامان کا مالک ہے وہ کمپنی ہے یہ خود نہیں ہے تو جب کمپنی مالک ہے یہ خود مالک نہیں ہے تو یہ بیچ نہیں سکتا کیونکہ شریعت کے اندر تجارت کی ایک شرط یہ ہے کہ سامان اس کے پاس موجود ہو تو یہ جو ڈراپ شپنگ ہے یہ جائز اور درست نہیں ہے۔

ایفلیٹ مارکیٹنگ کیا ہے؟ ایفلیٹ مارکیٹنگ بھی تقریباً ایسے ہی ہے، اس میں بھی تین لوگ ہوتے ہیں، لیکن یہ جو تیسرا وسیلے کے طور پر ہوتا ہے یہ بائر (بیچنے والے) کے طور پر نہیں رہتا بلکہ یہ کمیشن کے طور پر کمپنی کے سامان کو پروموٹ کرتا ہے اور جو بھی اس کے جانکار ہیں ان لوگوں تک وہ سامان کی ایڈورٹائزمنٹ کرتا ہے اور اس کے بعد پھر لوگ جب خریدتے ہیں تو یہ باقاعدہ کمپنی سے سامان لے کر خریدنے والے تک پہنچا دیتا ہے اور کمپنی سے اس کی ڈیل ہوئی رہتی ہے کہ میں اگر آپ کا ہزار روپیہ کا سامان بیچ دوں تو مجھے اتنا پرسنٹ کمیشن ملنا چاہیے۔

تو اب اس کو جو کمیشن ملتا ہے تو یہ شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ تو شریعت کے اندر اس طرح سے کمیشن لینا بالکل جائز اور درست ہے، شرط یہ ہے کہ وہ بائر (بیچنے والے) کے طور پر اپنے اپ کو متعارف نہ کرائے بلکہ وہ کمیشن لینے والے کے اعتبار سے لوگوں کو متعارف کرائے کہ میں کمیشن لینے والا ہوں، بائر نہیں ہوں اس لیے جب وہ سامان کو کمپنی سے لے کر کے اس کے پاس پہنچاتا ہے یا بیچتا ہے تو وہ ایک کمیشن کھانے والے کے اعتبار سے ہوتا ہے بیچنے والے کے اعتبار سے نہیں ہوتا ہے۔ اور شریعت کے اندر چونکہ یہ شکل جائز ہے اس وجہ سے اگر آن لائن کے ذریعہ یہ چیز کی جا رہی ہے تو یہ بالکل جائز اور درست ہے۔

اور ایک اہم ترین مسئلہ یہ بتاتا چلوں کہ یہ جو ہمارا دین ہے تو یہ دین ہر چیز کو شامل ہے، اگر ہم دین کے مطابق اپنی زندگی کو گزاریں گے تبھی جا کر کے دنیا اور آخرت کے اندر ہمیں کامیابی ملے گی، ورنہ اگر ہم صرف نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کو ہی دین سمجھ لیں اور دنیا اپنی مرضی کے مطابق گزاریں تو یقینی طور پر یہ ہمارے لیے خسارہ کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہمیں حلال روزی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی حرام کمائی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ امین

تجارت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

موضوع کا پہلا حصہ: تجارت:

محترم قارئین! اسلامی شریعت نے مال کمانے پر اکسایا اور ابھارا ہے، اللہ نے مال کمانے اور جمع کرنے سے بھی منع نہیں کیا ہے اور اسی لیے رسول اکرم ﷺ کی بہترین اور جامع دعاؤں میں سے یہ دعا بھی ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے ہمارے رب! ہماری دنیا بھی اچھی بنا، اور آخرت بھی اچھی بنا، اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے''۔ [البقرة:۲۰۱]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مال کمانے کے مختلف ذرائع اور طریقے بھی بتا دیئے ہیں: تجارت، زراعت، ملازمت اور مزدوری۔

مال کمانے کے ذرائع میں سے ایک بنیادی ذریعہ تجارت بھی ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ ''اللہ نے بیع (لین دین، خرید و فروخت، تجارت) کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے''۔ [البقرة:۲۷۵]

ایسے ہی سورۃ الجمعہ کی مشہور آیت ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّهِ﴾ ''جب نماز مکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کی روزی تلاش کرو''۔ [الجمعة:۱۰]

اسی طرح اللہ نے سورۃ النساء کی ایک آیت میں بیان فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالبَاطِلِ﴾ ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل اور حرام طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تجارت جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے اس کے ذریعے سے تمہیں مال کمانا چاہیے اور مال حاصل کرنا چاہیے''۔ [النساء:۲۹]

تو ہماری شریعت نے ہمیں تجارت کی اجازت دی ہے لیکن یہ تجارت اسلامی قوانین اور اسلامی اصول کی روشنی میں ہونا چاہیے اور اگر اسلامی قوانین سے ہٹ کر کے کوئی انسان تجارت کرتا ہے تو ایسی تجارت شریعت کی نظر میں معتبر نہیں ہے، اللہ نے اسی لیے آگے کہا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُم﴾ کہ تجارت کرو لیکن یاد رہے کہ اس کے لیے اگر حرام طریقہ اختیار کرتے ہو تو گویا کہ تم اپنے آپ کو قتل، ہلاک اور برباد کر رہے ہو۔

تجارت کی اہمیت:

(۱) قرآن وحدیث میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی جانب خصوصی توجہ دلائی ہے اور اس تعلق سے خصوصی تعلیمات شریعت میں موجود ہیں۔

(۲) آپ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں گے تو باقاعدہ ''کتاب البیوع'' کے نام سے چیپٹر ہے اور اس کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف احادیث ہیں۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کی باریکیوں سے ایک ایک مسئلے کے تعلق سے ہم اور آپ کو آگاہ کر دیا ہے کہ فلاں قسم کی آپ تجارت کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟

تجارت کی فضیلت:

(۱) اللہ نے سورۃ المزمل میں تجارت کو جہاد کے ساتھ جوڑا ہے: ﴿وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ [المزمل:۲۰]

آیت کے اس ٹکڑے میں وہ بندے جو تجارت کر کے اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں اللہ نے ایسے لوگوں کی بھی تعریف کی ہے اور وہ لوگ جو اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے میدان جنگ میں ہوتے ہیں اللہ نے ایسے لوگوں کی بھی تعریف کی اور دونوں کا ایک ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت کے میدان میں آئے، آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال تجارت کی غرض سے لے کر آپ ملک شام گئے اور آپ کی اس تجارت سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اتنا منافع حاصل ہوا کہ اس سے پہلے اتنا منافع کبھی حاصل نہیں ہوا۔

(۳) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔

(۴) وہ لوگ جو تجارت کے پیشے سے جڑے ہوئے ہیں اگر وہ سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہیں، کسی کو دھوکہ نہیں دیتے، کوئی غبن نہیں کرتے، دو نمبر مال ایک نمبر کہہ کر نہیں بیچتے ہیں، بالکل سچائی، امانت داری اور راست بازی کے ساتھ اگر وہ تجارت کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا مقام اور فضیلت بتاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء''. ''ایسا تاجر جو سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو وہ (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''۔

موضوع کا دوسرا حصہ: تجارت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین:

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تجارت کی یہ اہمیت، فضیلت اور اس کی باریکیاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کے درمیان بیان فرمائیں ان لوگوں نے کیسی تجارت کی اور ان کو کہاں تک کامیابیاں میسر آئیں؟ تو اصل جواب پیش کرنے سے پہلے یہ جانتے چلیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ میں آپ کے آنے سے پہلے مکہ میں بھی صحابہ تجارت کیا کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ پہنچے تو مدینہ کی پوری مارکیٹ پر یہودیوں کا قبضہ تھا، مال کمانے کے جتنے ذرائع تھے سارے ذرائع پر تقریباً یہودیوں کا قبضہ اور ہولڈ تھا، بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع یہودیوں کے یہ تین قبیلے مدینہ کے اندر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کے اصول وقوانین وضع کیے، صحابہ کرام کو تعلیم دی اور پھر صحابہ نے تجارت کرنا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تجارت کے قوانین اور نظام پر عمل کرتے ہوئے صرف پانچ سال کا عرصہ گزرا کہ ان پانچ سالوں میں یہودیوں کے وہ قبیلے جو مدینہ کی پوری مارکیٹ پر قبضہ جما کر بیٹھے تھے صرف پانچ سال کے عرصے میں مدینہ کو یہودیوں سے خالی کروایا گیا اور مدینہ کی پوری مارکیٹ پر مسلمانوں کا اور صحابۂ کرام کا قبضہ ہو گیا، سوال یہ ہے کہ انہوں نے یہ کیسے اور کس طریقے سے کیا؟ جواب یہ ہے کہ اسلامی تجارت کے قوانین یعنی امانت داری کے ساتھ تجارت کر کے، سچائی کے ساتھ تجارت کر کے، کسی کو دھوکہ نہ دے کر اور اگر کسی نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت لیڈر اور قائد فوراً ان کی گرفت کر لیا کرتے تھے اور ان کے سامنے دوبارہ سے اسلامی نظام کی وضاحت پیش کرتے تھے، بطور نمونہ ایک واقعہ دیکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی مارکیٹ میں چل رہے ہیں، ایک تاجر اور اس کے سامان کے تعلق سے کوئی بات آپ کو محسوس ہوئی، آپ اس کے پاس پہنچے اور اس کے سامان میں ہاتھ ڈالا تو آپ کو اندر کچھ تری محسوس ہوئی، آپ نے پوچھا: غلے والے بھائی! یہ کیا ہے؟ تاجر نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بارش کے پانی نے اس کو بھگا دیا تھا تو میں نے سوکھا اور تر دونوں مال اکٹھا کر دیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کر کے کیوں نہیں رکھا؟ من غشنا فليس منا جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہ ہوتی ہے تجارت جس کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی قدم قدم پر رہنمائی کی اور اسی رہنمائی کے نتیجے میں صرف پانچ سال میں مدینہ کی مارکیٹ اور بازار پر صحابۂ کرام کا قبضہ ہو گیا۔

تجارت کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: سب سے عظیم اور بڑے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑوں کا

کاروبار اور تجارت کرتے تھے اور بہت مال دار تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ میں آ کر نہیں بلکہ مکہ ہی سے مالدار تھے، کپڑوں کا کاروبار تھا اور مدینہ میں ''سخ'' نام کا ایک علاقہ تھا اس علاقے میں ان کا باقاعدہ ایک گودام اور کارخانہ تھا جس میں وہ کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے اور کام ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں ہوتی تھی لیکن دوسری طرف تجارت کرنا ہے تو اپنی تجارت کا مال لے جا کر تجارت کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھوڑی دیر کے لیے دور ہو جایا کرتے تھے، ادھر دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہیں چاہتے تھے کہ میرا یہ ساتھی اور رفیق مجھ سے جدا ہو لیکن تجارت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو منع نہیں کرتے تھے اور وہ تجارت کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: یہ بھی کاروبار اور تجارت کیا کرتے تھے اور جب بھی ضرورت پڑی انہوں نے اپنے مال سے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی۔

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ: ان کے بارے میں کون نہیں جانتا ہے کہ وہ مدینہ کے مال دار صحابہ اور بڑے تاجروں میں سے ایک ہیں کہ باہر سے ان کا مال ہزاروں کی تعداد میں اونٹوں پر لد کر آیا کرتا تھا۔

(۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر صحابی تھے اور مدینہ کے اندر ایک صحابی تھے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو انصاری صحابی حضرت سعد بن ربیع کا بھائی بنا دیا، سعد بن ربیع کون ہیں؟ انصار اور مدینہ کے مسلمان صحابہ میں سب سے مال دار صحابی، اور عبدالرحمٰن بن عوف کون ہیں؟ مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں، نہ مال ہے، نہ پیسہ ہے، نہ درہم و دینار ہے، محتاج اور ضرورت مند ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھائی چارہ کا رشتہ قائم کروا دیا تو سعد بن ربیع نے کہا: عبدالرحمٰن! یہ میرا گھر ہے، یہ میری کھیتیاں ہیں، یہ میری دو بیویاں ہیں، آدھا آدھا سب تمہارا ہے، جو بیوی پسند آئے طلاق دے دیتا ہوں اور عدت گزرنے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، میرے بھائی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اللہ آپ کے اہل وعیال اور مال میں برکت دے، بس مجھے بازار کا راستہ بتا دو، میں کچھ کرنا چاہتا ہوں، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ نے بازار کا راستہ دکھایا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گھی اور پنیر کا کاروبار جو شروع کیا تو کچھ عرصے میں ان کی تجارت میں اللہ نے ایسی برکت دی کہ اگر پتھر بھی اٹھائیں تو اس

کے نیچے سے سونا نظر آجائے اور یہ بات جاننے کی ہے کہ صحابہ کی فہرست میں سب سے مال دار صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا تجارتی قافلہ اتنی بڑی تعداد میں آیا کرتا تھا کہ جب مدینہ میں ان کا تجارتی قافلہ پہنچتا تھا تو مدینہ والے شور مچایا کرتے تھے اور لوگوں کے شور سے مدینہ گونج جایا کرتا تھا، لوگ سمجھ جاتے تھے کہ آج عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ مدینہ کے اندر آیا ہوا ہے۔

(۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں، یہ بھی کپڑوں کے تاجر تھے اور جب جنگ بدر ہوئی تو اس وقت حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑوں کی تجارت کے حوالے سے شام گئے ہوئے تھے، مدینہ کے اندر وہ موجود نہیں تھے اسی لیے جنگ بدر میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شرکت نہ کر سکے تھے۔

(۶) حضرت عباس رضی اللہ عنہ: مدینہ کے اندر صحابہ کپڑوں کے علاوہ خوشبو کا بھی کاروبار کرتے تھے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ جو نبی ﷺ کے چچا ہیں وہ تجارت کا مال لینے یمن جاتے تھے اور یمن سے عطر اور خوشبو لایا کرتے تھے اور خاص طور سے حج کے موسم میں اسے بیچا کرتے تھے کیونکہ حج کے موسم میں باہر سے لوگ آتے تھے، پوری بھیڑ ہوتی تھی تو وہ مکہ کے اندر جا کر کے اس کا کاروبار کیا کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ: آپ تیل اور چمڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔

محترم قارئین! یہ آپ کو میں نے نمونے کے طور پر چند مثالیں ذکر کی ہیں جن کے ذریعہ آپ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ تجارت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کس قدر گہرا تعلق تھا۔

خلاصہ:

میرے موضوع کا خلاصہ یہ ہے کہ تجارت ایک مبارک عمل ہے، اسلام حلال مال کمانے کا حکم دیتا ہے، مال کمانے کے مختلف حلال ذرائع بھی اس نے بتائے ہیں جن میں سے ایک تجارت ہے جس کو نبی ﷺ کے صحابہ نے اپنایا اور مالی اعتبار سے وہ مضبوط سے مضبوط ہو گئے، ساتھ ہی دنیا والوں کو یہ پیغام بھی دیا کہ حلال راستے سے مال کمانے میں ہی برکت ہے اور حلال راستے پر باقی رہنے سے بھی انسان مال دار اور بے نیاز ہو سکتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حلال کمانے، اسلامی اصولوں پر تجارت کرنے اور ہر قسم کی حرام کمائی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شیئر مارکیٹ: کیا صحیح کیا غلط؟

زید خالد پٹیل حفظہ اللہ

آج ہم ان شاء اللہ شیئر مارکیٹ، کموڈٹی مارکیٹ اور فاریکس ٹریڈنگ کے موضوع پر بات کریں گے، اس مضمون کے اندر آسان انداز میں، دلائل اور ثبوت کے ساتھ ان موضوعات کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

شیئر مارکیٹ کا تصور:

شیئر مارکیٹ کا بنیادی تصور یہ ہے کہ بڑے کاروباروں کو بڑا سرمایہ درکار ہوتا ہے، جو ایک یا دو افراد اکیلے پورا نہیں کر سکتے۔ اس لیے کئی لوگ مل کر سرمایہ لگاتے ہیں اور کمپنی کے شیئرز کے مالک بنتے ہیں۔ شیئر ہولڈرز اپنے شیئرز خریدتے یا بیچتے ہیں، اور اس عمل کے لیے شیئر مارکیٹ موجود ہے۔ علمائے کرام کے مطابق دُنیاوی معاملات میں بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر چیز حلال ہے جب تک کہ اس کا حرام ہونا ثابت نہ ہو۔ اس لیے شیئر مارکیٹ کا بنیادی تصور شرعاً جائز ہے۔ لیکن مسائل کہاں ہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

شیئرز میں سرمایہ کاری کے شرعی اصول:

(۱) حرام پروڈکٹس یا خدمات والی کمپنیاں:

اگر کوئی کمپنی حرام پروڈکٹس یا خدمات سے وابستہ ہو، جیسے: شراب، جوا، یا پورن گرافی سے متعلق کمپنیاں۔ حرام کھانوں سے متعلق پروڈکٹس - سود پر مبنی مالیاتی ادارے (مثلاً بینک) - تمباکو، انٹرٹینمنٹ انڈسٹری (فلمیں، موسیقی، او ٹی ٹی پلیٹ فارمز) ایسی کمپنیوں میں سرمایہ کاری حرام ہے۔

اسی طرح، اگر کوئی کمپنی بظاہر حلال ہو لیکن اس کا کوئی بڑا ضمنی پروڈکٹ حرام ہو (مثلاً شوگر انڈسٹری کا مولاسیس، جو شراب بنانے میں استعمال ہوتا ہے)، تو وہ بھی حرام کی فہرست میں آتی ہے۔

(۲) غیر یقینی کاروبار:

ایسی کمپنیاں جن میں غیر یقینی حالات کا زیادہ خطرہ ہو، جیسے سٹہ بازی پر مبنی کاروبار یا وہ سٹارٹ اپس جن کا ریونیو ماڈل واضح نہ ہو، ان میں بھی سرمایہ کاری جائز نہیں۔

(۳) ڈیٹ ٹو مارکیٹ کیپٹلائزیشن ریشو:

کمپنی کا کل سرمایہ دو ذرائع سے آتا ہے: ا یکوئٹی (شیئرز) اور قرض۔ اگر قرض سود پر مبنی ہو، تو شیئر ہولڈر اس سود پر مبنی قرض میں بھی شراکت دار بن جاتا ہے، جو شرعاً ناجائز ہے۔ سود کے بارے میں قرآن کی آیات میں بہت سخت

وعیدیں ہیں۔

سوال: سود پر مبنی قرض کا تناسب کتنا ہونا چاہیے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ۳۳ فیصد سے کم، کچھ کہتے ہیں ۳۰ فیصد یا ۲۵ فیصد سے کم۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ ''صفر فیصد'' ہونا چاہیے۔ کیونکہ سود ایک سنگین گناہ ہے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ سود کے ۷۳ درجے ہیں، جن میں سب سے کم درجہ اتنا سنگین ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ بدفعلی کرے۔ فتاویٰ لجنہ دائمہ (سعودی عرب)

اگر کمپنی سود پر قرض لیتی ہے، تو اس کے شیئرز بیچ ڈالو اور منافع غریبوں میں بانٹ دو، اس سے ثواب کی نیت نہ رکھو۔ اسلامی فقہ کونسل

ایسی کمپنیوں کے شیئرز رکھنا حرام ہے جو حرام سرگرمیوں میں ملوث ہوں۔ کویت ہاؤس

سود پر مبنی کاروبار والی کمپنیوں کے شیئرز رکھنا حرام ہے۔

۳۳ فیصد کی دلیل؟ کچھ لوگ حدیث ''والثلث کثیر'' (ایک تہائی بہت ہے) کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث وصیت کے بارے میں ہے، نہ کہ سود پر قرض کے۔ اس لیے یہ دلیل یہاں قابلِ اطلاق نہیں۔ صحیح اصول یہ ہے کہ سود پر مبنی قرض صفر ہونا چاہیے۔

(۴) سود کی آمدنی:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کمپنی کی سود سے آمدنی ۵ رفیصد سے کم ہو تو جائز ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی صفر ہونی چاہیے، کیونکہ سود سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔

کیا صفر فیصد ممکن ہے؟

اگر آپ سوچتے ہیں کہ صفر فیصد سود والی کمپنی کہاں سے ملے گی؟ تو یاد رکھیں کہ ہم ۲۰۰ کروڑ مسلمان ہیں، دنیا کی ایک چوتھائی آبادی۔ اگر ہم مل کر مطالبہ کریں کہ ہمیں صفر فیصد سود والی کمپنی چاہیے، تو کیوں نہیں مل سکتی؟ مثالیں دیکھیں:

ڈاؤ جونز شریعہ انڈیکس: ہمارے لیے بنایا گیا ہے۔ *نفٹی ۵۰ شریعہ* اور *بی ایس ای شریعہ ۵۰*: ہندوستان میں بھی شریعہ انڈیکسز موجود ہیں، لیکن یہ ۳۳ فیصد والے معیار پر ہیں۔ اگر ہم صفر فیصد کا مطالبہ کریں تو وہ بھی ممکن ہے۔

ریلائنس کی مثال: سعودی عرب کے ویلتھ فنڈ نے ریلائنس کے ۲ فیصد شیئرز خریدے، اور ریلائنس نے خود کو شریعہ

کمپلا ئنٹ کے طور پر پیش کیا، لیکن ہمارے معیار کے مطابق یہ کمپلا ئنٹ نہیں کیونکہ اس نے سود پر بڑا قرض لیا ہے۔

شیئرز کی جانچ کیسے کریں؟ دو مراحل میں:

(۱) پہلا مرحلہ: ایپس جیسے Islamicly یا Musaffa استعمال کریں۔ یہ ۳۳ فیصد والا فلٹریشن دیتی ہیں۔

(۲) دوسرا مرحلہ: Islamic Stock Screener یا Screener.in جیسے ٹولز استعمال کریں۔ تقویٰ سیٹنگز میں سود پر قرض کو صفر پر سیٹ کریں۔ مثال کے طور پر، ہندوستان یونی لیور کا ڈیٹ ٹوا یکوٹی ریشو 03.0 ہے، جو صفر کے قریب ہے۔

فیوچرز اینڈ آپشنز:

فیوچرز اینڈ آپشنز کو کہانی سے سمجھیں:

(۱) ''مسٹر اے'': ایک لاکھ روپے سے ۱۰۰ روپے کے ۱۰۰۰ شیئرز خریدتے ہیں۔ اگر قیمت ۱۱۰ ہو جائے تو ۱۰۰۰۰ کا منافع، اور اگر ۹۰ ہو جائے تو ۱۰۰۰۰ کا نقصان۔

''مسٹر بی'': ایک لاکھ روپے سے ۲۰۰۰۰ شیئرز کا آپشن خریدتے ہیں (۵ روپے فی شیئر)۔ اگر قیمت ۱۱۰ ہو جائے تو ۲ لاکھ کا منافع (ایک لاکھ خرچہ نکال کر کے ایک لاکھ منافع)۔ لیکن اگر قیمت ۹۰ ہو جائے تو پورا ایک لاکھ نقصان، کیونکہ آپشن کی ویلیو صفر ہو جاتی ہے۔ فیوچرز میں خریدنا لازمی ہوتا ہے، اور نقصان اس سے بھی بڑا ہو سکتا ہے۔ سیبی کے مطابق ہندوستان میں چھوٹے سرمایہ کار ایک سال میں ۶۰۰۰۰ کروڑ کا نقصان کرتے ہیں، زیادہ تر فیوچرز اینڈ آپشنز کی وجہ سے۔ وارن بفٹ انہیں ''فنانشل ویپنز آف ماس ڈسٹرکشن'' کہتے ہیں۔

''شرعی رولنگ'': اسلامی فقہ کونسل کے مطابق، قیمت خریدنا کوئی چیز نہیں، یہ واضح جوا ہے۔

شارٹ سیلنگ (پہلے بیچنا، پھر خریدنا) حرام ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تمہارے پاس نہیں، اسے مت بیچو۔ انٹرا ڈے ٹریڈنگ اور مارجن ٹریڈنگ بھی حرام ہیں، کیونکہ اس میں بروکر سود پر قرض دیتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرض اور تجارت کو ملا کر حلال نہیں۔

''نتیجہ'': ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم شریعت کی رولنگ کو سمجھیں، حرام سے بچیں، حلال کمائی حاصل کریں، اور دنیا و آخرت دونوں کو بچائیں۔ اگر ہم میں بیداری بڑھے گی اور ہم مل کر کوشش کریں گے تو صفر فیصد سود والی کمپنیاں مل سکتی ہیں۔ یہ ناممکن نہیں۔ ہمیں اللہ سے مدد مانگنی ہے، صحیح قدم اٹھانے ہیں، اور حلال آپشنز کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔ ان شاء اللہ حلال کمائی ہمارے سامنے آئے گی۔

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge, Welcome to Understanding"

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی کی ایک عظیم پیشکش

احکامِ طلاق

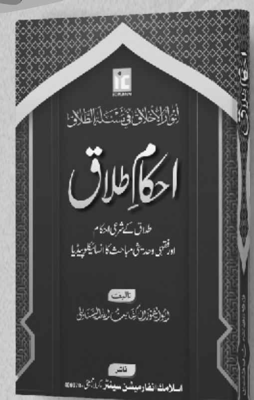

نام کتاب: أنوار الأخلاق في مسألة الطلاق (احکام طلاق)

تالیف: ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر: اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی۔

صفحات: 880 قیمت: 500 روپے

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں

- اس کتاب میں "طلاق حیض" اور "تین طلاق" پر جس ترتیب اور جس تفصیل کے ساتھ گفتگو ہے، اس کی نظیر شاید کسی اور کتاب میں نہ ملے۔
- "طلاق حسن" جسے احناف طلاق سنت میں شمار کرتے ہیں اس پر مستقل باب کے تحت بحث کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ طلاق بدعت ہی کی ایک قسم ہے۔
- "حلالہ" کے موضوع پر مستقل باب میں قرآنی آیات، صحیح احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیح وثابت اثار کی روشنی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا اکثر حصہ خالص علمی اور تحقیقی ہے جس سے عوام کا مستفید ہونا مشکل ہے، اس لئے کتاب کے ابتدائی ابواب میں عام فہم زبان میں اسلامی نکاح کی خصوصیات، میاں بیوی کے حقوق،، طلاق کے اسباب، نافرمان بیوی کی اصلاح کے مراحل اور اسلام میں طریقہ طلاق وغیرہ پر مفید معلومات وہدایات درج کر دی گئی ہیں تا کہ اس کتاب سے اہل علم وطلباء کے ساتھ ساتھ عوام الناس بھی استفادہ کرسکیں۔
- "طلاق حیض" اور "تین طلاق" کے مسئلہ میں فریقین کی مستدل تمام مرفوع وموقوف روایات کو مع سند ومتن مکمل نقل کیا گیا ہے اور صحت وضعف کے لحاظ سے ہر سند کا حکم بھی مع سبب بیان کر دیا گیا ہے۔
اسانید کی تحقیق اور روایات پر حکم لگانے میں محدثین کے منہج پر چلتے ہوئے وہی طریقہ اپنایا گیا ہے جس کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب ''أنوار البدر في وضع اليدين على الصدر'' (ص: 43 تا 61) میں کی ہے۔
- اس کتاب میں صرف برصغیر کے حنفی دلائل پر گفتگو نہیں ہے، بلکہ تقلیدی مذاہب کے وجود سے لے کر اب تک ان کے چاروں حلقوں نے طلاق کے مسئلہ میں جو کچھ بھی رقم فرمایا ہے، حتی الامکان ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے ہر ایک کے اعتراض اور ہر ایک کے شبہہ کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث پر تقلیدی مذاہب نے بہت بے دردی سے جرح کی ہے، اور اس پر انتہائی فضول، لایعنی اور غیر اصولی اعتراضات کرکے اپنے اپنے حلقوں کو تسلی دینے کی کوشش کی ہے، اس کتاب میں ایک بڑا حصہ اس حدیث کے دفاع پر مشتمل ہے جس میں اس حدیث کی سند یا اس کے متن پر وارد جملہ اعتراضات کے جوابات محدثین اور فقہائے اہل حدیث کے منہج پر دئے گئے ہیں، بالخصوص غیر مدخولہ والے اعتراض کی مفصل ومدلل تردید کی گئی ہے۔
- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر بعض لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ ان سے پہلے کسی نے بھی تین طلاق کے ایک ہونے کا فتوی نہیں دیا ہے، اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پہلے ہر ہر صدی سے ایسے ائمہ وعلماء کے نام مع حوالہ پیش کئے گئے ہیں جو تین طلاق کے ایک ہونے کا فتوی دیتے تھے۔ اس ضمن میں صرف انہیں اہل علم کے نام درج کئے گئے ہیں جن سے ان کے اقوال ثابت شدہ ہیں۔
- دکتور سلیمان بن عبداللہ العمیر نے **تسمية المفتين بأن الطلاق ثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة** کے نام سے ایک کتاب لکھ کر عہد صحابہ سے لیکر عصر حاضر تک کے ان تمام ائمہ واہل علم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تین طلاق کے ایک ہونے کا فتوی دیا ہے، ہم نے اپنی اس کتاب میں ان تمام ناموں کی صرف فہرست پیش کی ہے، اور اس پر استدراک کرتے ہوئے بعض مزید ائمہ کے ناموں کا اضافہ کیا ہے جن میں دو نام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پہلے دور کے ہیں۔ نیز اس ضمن میں مذاہب اربعہ میں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے بعض ایسے علماء کے نام پیش کئے گئے ہیں جو تین طلاق کو ایک مانتے تھے۔
- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح دس ایسی روایات پیش کی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت دی گئی تین طلاق کو شرعا ایک ہی مانتے تھے۔
- دس ایسے مسائل پیش کئے گئے ہیں، جن میں ائمہ اربعہ یا مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، مگر دیگر اہل علم کا فتوی اس کے خلاف ہے،
ان دسوں مسائل میں ائمہ اربعہ یا مذاہب اربعہ سے اختلاف کرنے والے اہل علم کا موقف ہی راجح ہے۔

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں : 70457 88254

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

الحمد للہ

تراویح کے موضوع پر اردو زبان میں ایک جامع کتاب

مسنون رکعاتِ تراویح

اور

شبہات کا ازالہ

تالیف: ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی

چھپ کر آچکی ہے۔

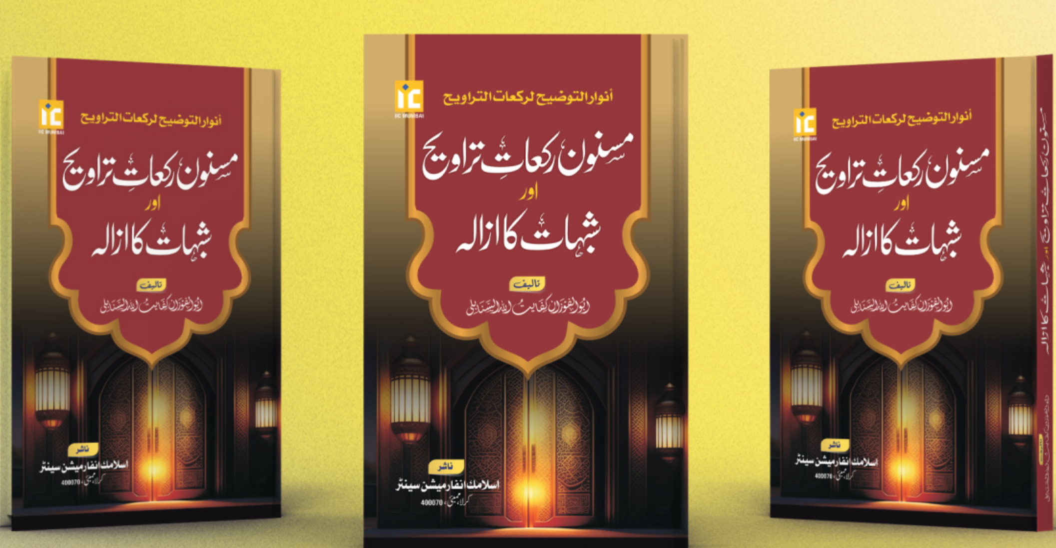

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

70457 88254

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

اسلامک انفارمیشن سینٹر اور اس کی سرگرمیاں

مندرجہ بالا ہماری دعوتی و رفاہی سرگرمیاں ہیں جنکا مقصد اسلام کی صاف وشفاف تعلیمات کو اللہ کے بندوں تک پہونچانا، اسلام کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا اور لوگوں کے دکھ درد میں انکی مدد کرنا ہے۔ بلا شبہ یہ تمام کام اللہ کی توفیق اور اہل خیر کے تعاون سے ممکن ہوپاتے ہیں۔ چنانچہ ہماری آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہماری دعوتی و رفاہی سرگرمیوں میں ہمارے شریک اجر بنیں اور اپنے صدقات، زکاۃ اور عطیات سے سینٹر کا تعاون کریں۔ اللہ رب العزت آپ کے تعاون کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

TO DONATE TO IIC

| Account Name : ILM Foundation
| Account No. : 102801002071
| IFSC Code : ICIC0001028
| Bank Name : ICICI Bank (Savings)
| Branch : Andheri Link Road, Mumbai
| MCR Code : 400229097

QR CODE -
For All Online Bank,
UPI Apps Transfer

For Contact or WhatsApp
+91 9773112909
+91 8291063785
+91 8080807836

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Managed by : ILM Foundation

Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post

Printed, Published & Owned By : Saad Khalid Patel | Printed at: A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg, Lower Parel (West), Mumbai - 400013., Published at :106, Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai-400010
Editor : Shaikh Kifayatullah Sanabili Mobile : 8657458182